شعبہ
تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

ایڈیٹر سید محمد الحسنی

معاون سعید الاعظمی ندوی

١٢ محرم ١٣٨٤ ھ مطابق ٢٥ مئی ١٩٦٤ ع

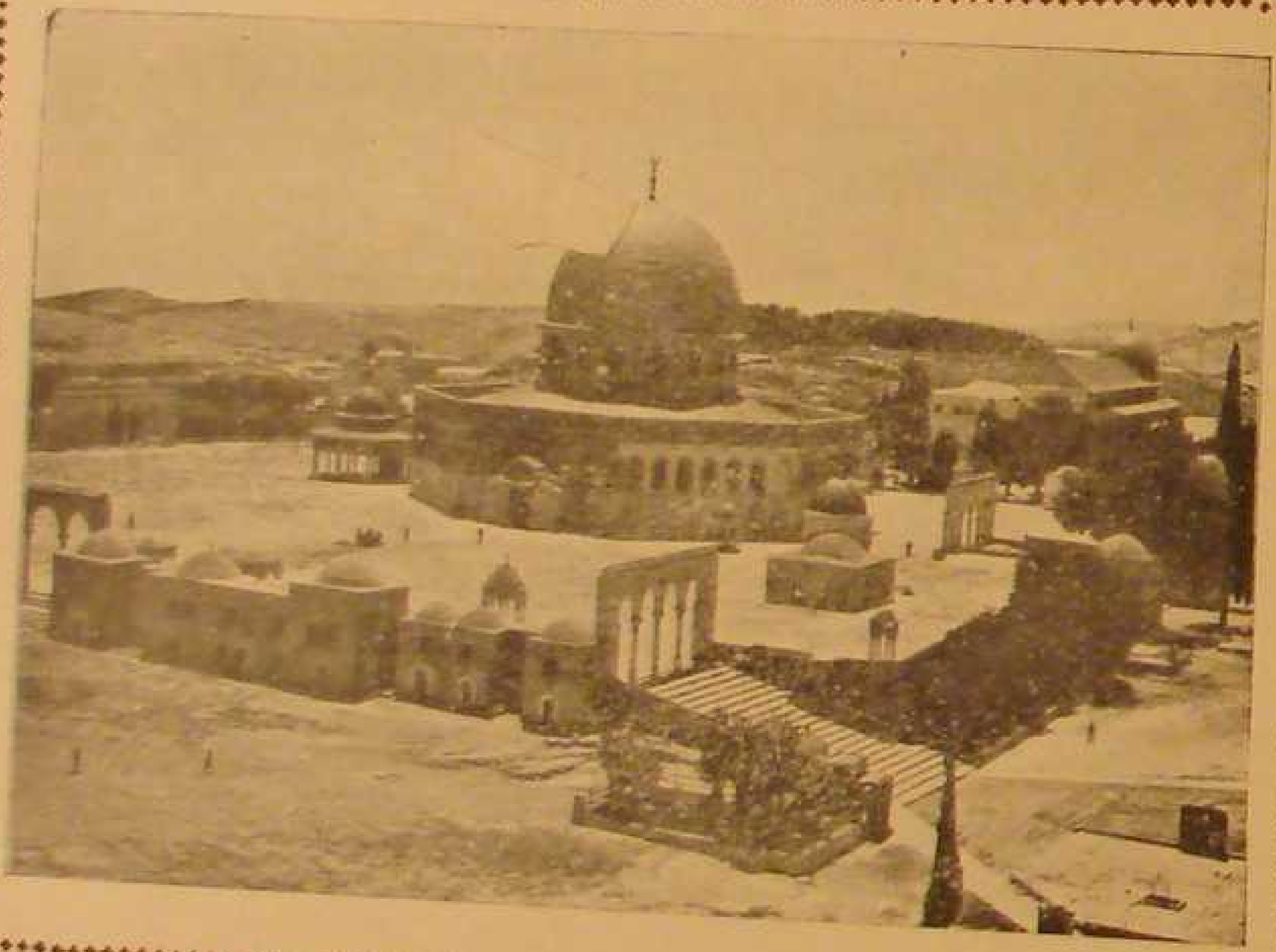

★ بیت المقدس مین قبۃ الصخرہ کا ایک منظر ★

سالانہ چندہ ۵ روپے

نئے ٢٥ پیسے

TAMEER-E-HAYAT

DARUL ULOOM NADWATUL ULAMA LUCKNOW (INDIA)

دار العلوم ندوۃ العلماء کا تیار کردہ نصاب

قصص النبیین للاطفال (۳ حصے)

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

اس کتاب میں ایک طرف زبان کی تعلیم کے جدید اصول اور ماہرینِ تعلیم و نفسیات کے تجربات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ یہ کتاب عربی زبان کی تعلیم کا بہترین اور سہل ترین ذریعہ بنگئی ہے، دوسری طرف انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور قصوں کو اس پیرایۂ اسلوب میں پیش کیا گیا ہے کہ اسلام کے بنیادی اصول خود بخود طلباء کے ذہن نشین ہوتے چلے جاتے ہیں، اس سلسلہ کو ممالکِ عربیہ میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہے!

قیمت حصہ اول ۷۵/۰، حصہ دوم ۷۵/۰ حصہ سوم ۷۵/۱

القراءة الراشدة (۳ حصے)

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

اس کتاب میں اسلامی تاریخ، نامور اسلامی شخصیتوں، ہندوستان کی اسلامی تاریخ اور اسکی نامور شخصیتوں کے متعلق اسباق، اسلام اور ہندوستان کی تاریخ کا خلاصہ، مشہور دینی درسگاہوں کا تعارف، معلوماتِ عامہ اور ضروری مضامین آگئے ہیں، اسکی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی سبق دینی روح سے خالی نہ ہو اور وہ کسی اچھے نتیجہ یا حقیقت کی طرف رہبری کرتا ہو، مدارسِ عربیہ کی بڑی تعداد نے اس کو داخلِ نصاب کیا ہے۔

قیمت حصہ اول ۸/ حصہ دوم ۸/ حصہ سوم ۸/

مختارات

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

یہ کتاب عربی کی متوسط اور اعلیٰ دونوں جماعتوں کے نصاب میں داخل کرنے کے لائق ہے اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اس وقت تک ادبِ عربی کی کوئی کتاب اس کا بدل نہیں بلکہ یہ دوسری کتابوں کا نعم البدل ہے، مدارسِ عربیہ کی بڑی تعداد کے علاوہ لکھنؤ، علیگڈھ، کلکتہ، پنجاب اور مدراس یونیورسٹیوں اور بہت سے کالجوں میں داخلِ نصاب ہے، شام کے کالجوں میں بھی داخلِ نصاب ہے۔

قیمت حصہ اول عہ حصہ دوم عہ

منثورات

از: مولانا محمد رابع ندوی

اس کتاب میں مصنف نے ان بلند پایہ ٹکڑوں کا انتخاب کیا ہے جو زبان کے محاسن اور کلام کی بلاغت کیساتھ دینی و اخلاقی تربیت کا کام بھی دے سکتے ہیں اور اسلامی جذبات پیدا کرنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں، سیرت نبوی، تاریخ اسلام اور مستند و صاحب طرز انشاء پردازوں کی نثر کے نمونے پیش کئے گئے ہیں جو عربی زبان و ادب کی بہترین نمائندگی کرتے ہیں نثر قدیم کے ساتھ نثر جدید اور نظم قدیم بھی شامل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے داخلِ نصاب کیا ہے۔

قیمت عہ

ESTD. 1903

قدرتی تیل

جوڑوں کے درد، زخم، چوٹ، موچ، کٹنے، جلنے میں مفید ہے

کارخانہ دار الصحت مئوناتھ بھنجن یوپی

Printed by S. M. HASNI at Nadwa Press, LUCKNOW.

پندرہ روزہ

تعمیر حیات

لکھنؤ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء

جلد ۱۲ | ۲۵ مئی ۱۹۶۴ء مطابق ۱۲ محرم الحرام ۱۳۸۴ھ | شمارہ ۱۴

اس شمارے میں

ہماری تاریخ کا ایک گمشدہ ورق ...	... ایڈیٹر	۱
مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ ...	... مولانا سید ابو الحسن علی ندوی	۳
سید صاحب اور علوم قرآن ...	... مولانا محمد اویس نگرامی ندوی	۵
ہندستان میں عربی لغت	... مولانا سید محمد ثانی حسنی	۷
شرح جذبات ... ... (نظم) ...	... زائر حرم حمید صدیقی	۸
خطبات نبوی	... حبیب الرحمٰن ندوی	۹
دنیا کی زندگی	... سید الرحمٰن الاعظمی	۱۰
تھوڑی دیر اہل حق کیساتھ	... محمد یونس نگرامی ندوی	۱۱
ندوۃ العلماء منزل بہ منزل		۱۲
چو مرگ آید تبسم بر لب اوست ...	... تسنیم الحسن صدیقی	۱۳
بوئے دل ... ... (نظم) ...	... جگر مراد آبادی	۱۴
مناجات ... ... (نظم) ...	... امۃ اللہ تسنیم صاحبہ	۱۴
تجدید عزائم ... ... (نظم) ...	... شفیق احمد خاں شروانی	۱۴
سائنس کی دنیا	... سید ضیاء الحسن ندوی	۱۵
دار العلوم حالات و واقعات		۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہماری تاریخ کا
ایک گمشدہ ورق

محمد الحسنی

اسلامی ہند کی تاریخ میں جب ہم ندوۃ العلماء کے باب تک پہونچتے ہیں تو ایسا نظر آتا ہے کہ اس باب کا پہلا ورق شاید کہیں گم ہوگیا ہے اور اس کی وجہ سے اس کے آغاز کی اہم تفصیلات اور اس عہد کی مرکزی شخصیات پردۂ خفا میں چلی گئی ہیں۔ اس کے نتیجہ میں یہ خیال قدرتی طور پر عام ہوگیا کہ شاید اس داستان میں کوئی اور کردار یا شخصیت نہیں ہے اور اگر ہے تو اس کا آغاز بہت حقیر، اس کی آواز بہت مضمحل، اس کے اثرات بہت محدود، اس کے نقوش بہت عارضی اور فانی اور اس کی خدمات بہت غیر اہم اور ناقابل ذکر ہیں۔

یہ تاریخ ندوۃ العلماء کا وہ پہلا اور تابناک ورق ہے جس کی روشنی اور تابانی اور حرارت ایمانی نصف صدی سے زائد عرصہ گزرنے کے باوجود اور گمنامی و بے توجہی کے دبیز و کثیف پردوں کے پیچھے سے آج بھی ندوۃ العلماء کے فرزندوں اور خادموں کو سامان نشاط بہم پہونچا رہی ہے، ان کے قلب و نگاہ کو اپنے جمال کا اسیر بنا دیتی ہے۔ ان کے ذوق پرواز کو نئی فضاؤں اور ان کے کام و دہن کو نئی لذتوں سے آشنا کر رہی ہے، ان کے ذوق علم کو ذوق نظر اور جذبۂ دل سے ہم آہنگ بنا رہی ہے اور اس نقطہ آغاز کی طرف متوجہ کر رہی ہے جس کے ساتھ اس کی پوری داستان وابستہ ہے اور جو بلاشبہ اس کی عزیز ترین متاع اور اس کی تاریخ کا ناقابل فراموش حصہ ہے

یہ دراصل اس اخلاص و للہیت، معرفت اور تعلق باللہ، دردمندی و جاں سوزی اور سب سے بڑھ کر اس نسبت الٰہی کا جمال اور پرتو ہے جس کے لئے کسی معذرت اور تاویل اور کسی تذبذب یا احتیاط کی مطلق ضرورت نہیں کہ اس دنیا میں جو کچھ رونق ہے، اور انسانیت کے کاسہ میں جو کچھ دولت ہے اور اس گلشن ہستی میں جو کچھ مستی ہے وہ سب اس کا ایک ادنیٰ سا کرشمہ اور اس کی ایک ہلکی سی جھلک ہے

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

مولانا سید محمد علی مونگیریؒ (بانی و ناظم اول ندوۃ العلماء) کی ذات گرامی کو اللہ تعالیٰ نے اخلاص و روحانیت اور نسبت الٰہی کی اس دولت کے ساتھ جو کبار اولیاء اللہ اور علماء ربانیین کا حصہ ہے، فکر و نظر کی بلندی، حقیقت شناسی، آنے والے خطرات سے آگاہی، عالی ظرفی اور بلند حوصلگی، فراست و بصیرت، عملیت اور اجتماعی کاموں کی جس صلاحیت سے نوازا تھا اس نے ان کو ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں ایک بلند مقام عطا کیا ہے اور ان کی شان کو دوبالا کر دیا ہے اور ان کی شخصیت کو ایسا

عجیب اور خوشگوار توازن بخشا ہے کہ مدرسہ و خانقاہ دونوں جگہ ان کے "نقش پا" رہروان راہ کے لئے نشان منزل بن گئے ہیں اور ان کے درمیان مصنوعی حجابات یکسر اٹھ گئے ہیں ؎

در مدرسہ از جنبش لعل تو حکایت
در میکدہ از مستیٔ چشم تو نشان است

یہ تناسب و جامعیت اور تناسب و اعتدال ان کا حال اور ذوق اور طبیعت ثانیہ بن گئی تھی اور ان کی زندگی کے ہر شعبہ سے عیاں اور ان کی ہر ادا سے نمایاں تھی۔

اپنے ایک صاحب تعلق عالم دین مولانا عصمت اللہ صاحب (بنجاور گنج اعظم گڑھ) کے نام ایک خط میں مولانا نے شاید اسی عالی ظرفی اور بلند حوصلگی کا ذکر کیا ہے اور "حدیث دیگراں" میں دراصل اپنا ہی حال بیان کیا ہے۔

بزرگوں کی دو حالتیں ہوتی ہیں ایک اتباع شریعت کی اور دوسری عشق و محبت کی، بعضوں پر اتباع شریعت غالب ہوجاتا ہے اور نسبت عشقیہ مغلوب ہوجاتی ہے اور بعضوں پر عشق و محبت کا غلبہ ہوتا ہے اور بوجہ غلبۂ حالت کے بعض احکام شریعت کا لحاظ نہیں رہتا مگر جن بزرگوں کو خدا نے عالی ظرف اور بلند حوصلہ پیدا کیا ہے ان پر دونوں حالتیں طاری ہوتی ہیں اور وہ دونوں کو اپنے موقع اور محل پر رکھتے ہیں مرج البحرین یلتقیان بینھما برزخ لا یبغیان

اقبال نے عرصہ ہوا شکوہ کیا تھا کہ

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے نمناک
نہ معرفت نہ محبت نہ زندگی نہ نگاہ

لیکن مولانا کی ذات اور ان کی خدمات و کمالات اس بات کا روشن اور عملی ثبوت ہیں کہ قدیم و جدید درس و تدریس اور تربیت و سلوک، علمی خدمت اور جذبۂ دعوت، ایمانی کیفیات اور جدید معلومات اور مختصر الفاظ میں خلوت اور جلوت، توکل و تبتل اور ذوق عمل کے یہ مصنوعی حجابات بالکل بے حقیقت اور بے قیمت ہیں اور بذات خود ان کا کوئی وجود نہیں اور کمال و ترقی کا اصل معیار یہ ہے کہ زندگی کے جھنور میں رہ کر بھی انسان آلودہ دامن نہ ہو، سب کے ساتھ رہتے ہوئے بھی کسی کے ساتھ نہ ہو اور "دل بیار دست بکار" کی تصویر اور

قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر ہو۔

رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ	وہ جواں مرد جن کو کسی قسم کی تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

منہاج نبوت اور ولایت بر طریق نبوت کی یہ خصوصیت اور سعادت ہماری تاریخ کی جن شخصیتوں کو نصیب ہوئی ان میں مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کا بھی نام نامی ہے۔

خدا کی بڑی حکمت و رحمت تھی کہ ندوۃ العلماء کی بنیاد ان کے ہاتھ سے رکھی گئی، اور اخلاص کا یہ تخم ان کے مبارک ہاتھوں سے پڑا، اور خاصے عرصے تک اس کی آبیاری کی سعادت بھی ان ہی کے حصہ میں آئی، اور حقیقت یہ ہے کہ اُس دور میں جس قوت و وسعت جس تاثیر و مقبولیت اور جس جامعیت اور ہمہ گیری کے ساتھ تحریک ندوۃ العلماء نے پیش قدمی کی اور ہندوستان کے منتشر و مضطرب حلقوں اور افسردہ و مضمحل دلوں کو روشنی اور حرارت بخشی اور گویا ان کی آنکھیں کھول دیں وہ تاریخ کی امانت اور اس کا قیمتی اثاثہ ہے۔

مولانا کی زندگی اس بات کی بھی زندہ علامت ہے کہ اخلاص کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ اور وہ انسان کو کبھی مایوس نہیں کرتا، اس کی شعاعیں صدیوں کے بعد بھی ہم تک پہونچتی ہیں اور دبیز سے دبیز پردوں سے چھن چھن کر ہم پر پڑتی ہیں اور اثر انداز ہوتی ہیں کبھی ہم اس سے بے خبر ہوتے ہیں اور کبھی مشیت الٰہی اس کو آشکارا کر دیتی ہے: و للہ فی خلقہ شئون

تاریخ کا یہ گمشدہ ورق ہمیں اس لئے بھی عزیز ہونا چاہیے کہ اپنے شاندار ماضی، اپنی اہم اور بنیادی شخصیات اور اپنی علمی و روحانی میراث سے بے خبر رہ کر یا اس سے مستغنی اور بے نیاز ہو کر کوئی فرد، ادارہ یا جماعت اور قوم زیادہ طویل عرصہ تک زندہ نہیں رہ سکتی۔ ؎

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

یا تو وہ کسی دوسرے راستہ پر پڑ جائے گی اور اپنے ماضی سے رشتہ توڑے گی یا بتدریج فنا ہوجائے گی اور جس طرح جڑیں خشک ہوجانے سے درخت سوکھ کر رہ جاتا ہے اور اس کے پتے جھڑ جاتے ہیں اسی طرح اس کا شجر حیات بھی آہستہ آہستہ خشک ہوجائے گا۔

یہ نہ کسی مخصوص نظریہ کی حمایت ہے اور نہ کسی مخصوص حلقہ کی طرف داری، یہ ایک عہد رفتہ کی حکایت ہے جسکا ہم سب سے گہرا تعلق ہے، ایک ایسے ماضی کی یاد ہے جس سے ہمارا حال اور مستقبل وابستہ ہے، ایک ایسے دور کی طرف اشارہ ہے جو ہمارے لئے اب بھی "روشنی کا مینار" ہے۔

یہ ہماری تاریخ کی ایک ایسی شمع کی کہانی ہے جو موجودہ ماحول کی تاریکیوں اور بدلے ہوئے حالات میں اب بھی فروزاں ہے اور جس کی لو تیز کرنے کی ضرورت اب پہلے سے زیادہ محسوس ہو رہی ہے اور جس کی جلوہ افروزی اور دلآویزی اتنے دھندلکوں کے باوجود اب بھی اپنے پروانوں کو آگے بڑھنے کی دعوت دے رہی ہے اور ان کی سست گامی، نیم دلی اور کم ذوقی و کم کوشی پر افسردہ و حیران ہے۔

"کس بمیدان در نمی آید سواراں را چہ شد"

روڑکیلا اور جمشید پور

روڑکیلا اور جمشید پور میں اتنا وقت گزرنے کے بعد بھی جو تکلیف دہ صورت حال قائم ہے اور جسقدر پیچیدہ مسائل درپیش ہیں اسکا اندازہ دور سے بیٹھ کر نہیں لگایا جا سکتا ان اہم مسائل میں یتیم مسلمان بچوں کا مسئلہ بھی ہے ان کی مظلومیت و بے چارگی اور مالی دشواریوں نے پورے ملک کے مسلمانوں کے سر پر یہ ذمہ داری ڈالدی ہے کہ وہ جلد از جلد ان کی طرف توجہ کریں۔ ان کی مالی امداد سے کہیں بڑھ کر ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا مسئلہ ہے، سب سے اہم اور ضروری بات یہ ہے کہ وہ صحیح اور مناسب جگہوں پر پہونچیں اور معتبر اداروں کے ذریعہ ان کی رہائش اور تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جائے، وہ اس وقت بڑی سے بڑی ہمدردی کے مستحق ہیں، اسی کے ساتھ ضرورت ہے کہ ان مظلومین کی مالی اعانت پوری فراخ دلی اور جوش کے ساتھ کی جائے اور ہر سطح پر اس کے لئے کام کیا جائے۔

مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

اس مضمون کی پہلی قسط ۲۵ اپریل ۱۹۶۴ء کے شمارہ میں شائع ہوئی تھی۔ گذشتہ شمارہ میں یہ مضمون نہ آسکا۔ اب یہ مضمون انشاء اللہ مسلسل شائع ہوگا!

—— بقیہ ——

حضرت سید محمد کے صاحبزادے حضرت سید محمد عدل عرف شاہ لعل صاحب اپنے والد کے خاص تربیت یافتہ اور وقت کے جلیل القدر مشائخ نقشبندیہ میں سے تھے قوت نسبت، معرفت و علو مقامات، اتباع سنت زہد و ورع ایثار و استغنا اور تربیت و سلوک میں دور دور مشہور تھے اودھ میں آپ ہی کی ذات طالبین و سالکین کا سب سے بڑا مرکز و مرجع تھی۔ ۱۲ رمضان المبارک ۱۲۹۰ھ کو وفات ہوئی، مریدین و مستفیدین میں مولانا ازہار الحق فرنگی محلی مولانا ذوالفقار علی دیوی قاضی عبدالکریم چوراسی، مولانا احدی کرسوی شاہ محمد علی جائسی مولانا سید محمد نعمان نصیر آبادی جیسے مشاہیر علماء و مشائخ ہیں۔

مولانا خواجہ احمد صاحب اس سلسلہ میں دو واسطوں سے داخل ہیں ایک شاہ یار محمد صاحب کے ذریعہ دوسرے خود اپنے والد محترم سید محمد یسین صاحب کے ذریعہ، دونوں حضرات حضرت سید نجم الہدیٰ کے خلیفہ تھے۔

دوسرا سلسلہ: اس کے بعد آپ نے اپنے استاد اور بھائی حضرت مولانا سید محمد بن اعلیٰ نصیر آبادی کے ہاتھ پر بھی بیعت کی جو حضرت امیر المومنین سید احمد شہیدؒ کے خلیفہ تھے، مولانا سید محمد صاحب نے آپ کو حضرت سید صاحب کے پانچوں سلسلے قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، مجددیہ اور محمدیہ (سید صاحب کا خاص طریقہ) میں خلافت عطا کی۔

مولانا بیان فرماتے تھے کہ پیر و مرشد اور برادر بزرگ مولانا سید محمد صاحب فرماتے تھے کہ میں نے جب سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی تو سید صاحبؒ نے مجھے خلافت عطا فرمانے کا ارادہ کیا۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس بار کا متحمل نہ ہوسکوں گا، فرمایا اس کو قبول کرلو ہمارے اور تمہارے درمیان ایک وسیلہ پیدا ہوگا جو اس بار کا متحمل اور اس دولت کا سزاوار ہوگا۔

تیسرا سلسلہ: اپنے استاد و شیخ مولانا سید محمد کی وفات کے بعد جب آپ ۱۲۸۱ھ میں حج کے لئے مکہ مکرمہ گئے تو وہاں حضرت مولانا محمد یعقوبؒ مہاجر مکہ (نواسہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ) سے طرق اربعہ میں خلافت و اجازت حاصل کی اور چھ مہینہ ان کی خدمت میں ٹھہر کر ان کے علوم و کمالات کے فیوض سے مالامال ہوئے اور اعمال مشائخ کی اجازتیں، سند حدیث اور خرقۂ خلافت اور ملبوس خاص کا عطیہ حاصل کیا۔

اس طرح آپ صرف مولانا محمد یعقوب صاحب کے ایک واسطہ سے حضرت شاہ عبدالعزیز کے سلسلہ میں داخل ہیں۔

حج اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے استفادہ

مولانا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ۱۲۸۱ھ میں حج کو گئے، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب دہلوی اپنے برادر بزرگ سند العلماء و المحدثین استاذ الہند حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب کے ساتھ ۱۲۵۸ھ میں ہندوستان سے مکہ مکرمہ ہجرت کر گئے تھے، حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب نے ۱۲۶۲ھ میں انتقال فرمایا لیکن حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب ۱۲۸۲ھ تک ایک عالم کو فیض پہونچاتے رہے، مولانا خواجہ احمد صاحب مولانا دہلوی کی خدمت میں چھ مہینے مقیم رہے۔ اس خاندان سے قدیم علمی و دینی تعلقات اور آخری اور سب سے محکم حضرت سید احمد شہیدؒ بریلوی کے تعلق اور تعارف کی بنا پر پھر استعداد و اہلیت اور سعادت فطری کی وجہ سے مولانا محمد یعقوب صاحب نے مولانا خواجہ احمد صاحب کی بڑی پذیرائی فرمائی اور ان کی طرف خاص توجہ مبذول کی، مولانا خواجہ احمد صاحب فرماتے تھے کہ تمام علوم ظاہری و باطنی کی سند مجھے اس مرکز رشد و ہدایت سے حاصل ہوئی اور میں نے جو کچھ پایا یہیں سے پایا۔ تمام کیفیتوں کا حصول اور زیارت حرمین شریفین کے شرف کا اور آپ ہی انھیں کی توجہ کا ثمرہ ہے آپ کے خلیفہ اور بھتیجے مولوی حکیم سید فخرالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہر جہاں تاب[1] میں لکھتے ہیں کہ حضرت جب اپنے استاد و شیخ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کا تذکرہ فرماتے تو آپ پر ایک ذوق و وجد طاری ہوجاتا اور ایسا معلوم ہوتا کہ آپ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہیں، اکثر ان کا ذکر کرتے وقت آپ کی آنکھیں پر آب ہوجاتیں اور فرماتے کہ اس کی حسرت ہے کہ آپ کی زیارت کا دوبارہ شرف حاصل نہ ہوا اور آپ کا وصال ہوگیا۔

ایک مرتبہ ذکر کرتے وقت آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا کہ جب میں نے مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفاً کا عزم کیا تو روزانہ دلائل الخیرات کا ایک دور کرتا تھا۔ جب زیارت قبر نبوی سے مشرف ہوا تو قبر نبوی کے سامنے بیٹھ کر دلائل الخیرات پڑھتا۔ اس وقت ایسی کیفیت حاصل ہوتی کہ وطن کی واپسی کا عزم فسخ کر دینے کا جی چاہتا اور وہیں پیوند خاک ہوجانے کی آرزو ہوتی ایک مرتبہ درود پڑھتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و جلال اور آپ کی قبت پدری کا ایسا جوش ہوا کہ میں نے چشم بصیرت سے دیکھا کہ خود بذات و اقبال رونق بخش ہیں۔ یہاں تک کہ ایک روز اثناء قرأت دلائل الخیرات میں یہی کیفیت طاری ہوئی اور یہ آواز کان میں پہونچی کہ تمہارا آنا مقبول ہوا، اس مژدۂ جانفزا سے میرا رواں رواں تازہ ہوگیا۔

آپ مولانا محمد یعقوب صاحب کا اکثر اپنی مجلس میں ذکر فرماتے اور مکہ مکرمہ کی ان یادگار صحبتوں کو یاد کرتے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ مولانا کا حکم تھا کہ جب آؤ تو مجھے اپنی آمد کی اطلاع کر دو، میں فوراً باہر آجاؤں گا۔ لیکن بعض مرتبہ میں تعمیل حکم نے اطلاع کر دیتا اور بعض مرتبہ انتظار میں بیٹھا رہتا۔ جب آپ مکان سے برآمد ہوتے تو فرماتے کہ تم نے اطلاع کیوں نہیں کی۔ میں عرض کرتا کہ اس خیال سے اطلاع نہیں کی کہ حضرت کسی کام میں ہوں گے، میری وجہ سے کام چھوڑ کر باہر تشریف لانا پڑے گا، فرماتے کہ نہیں اطلاع کر دیا کرو اگر کسی ضروری کام میں ہوں گا تو کہلوا دوں گا ورنہ باہر آجاؤں گا۔

فرماتے تھے کہ جب حضرت شیخ حرم محترم میں

[1] مہر جہاں تاب "از مولوی حکیم سید فخرالدین صاحبؒ

داخل ہونے لگتے تو میں چاہتا کہ نعلین مبارک اٹھالوں یا کہیں حفاظت سے رکھ دوں، لیکن آپ اس کو پسند نہ فرماتے اور اس کام کو کسی اور خادم کے سپرد کر دیتے، حضرت شیخ کبر سنی کے باوجود اور متعدد خدمت گاروں اور نیاز مندوں کے ہوتے ہوئے بھی کسی سے اپنے کام کے لئے نہ فرماتے اور اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتے، ایک مرتبہ حرم سے واپس آتے ہوئے آپ نے ایک تربوز اور کچھ چیزیں خریدیں، میں نے چاہا کہ تربوز اپنے ہاتھ میں لے لوں لیکن آپ نے کسی طرح اس کو منظور نہ کیا اور سب چیزیں اپنے ہاتھ میں لے کر آئے۔

تبلیغ و اصلاح

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت و مقبولیت کا سب سے بڑا ثبوت اور آپ کی زندہ جاوید کرامت وہ دینی اصلاح و تغیر ہے جو آپ کی ذات سے رونما ہوا۔ جب سے آپ علم حاصل کر کے آئے دم واپسیں تک آپ ہدایت و ارشاد ہی میں مشغول رہے اور آپ نے اپنی زندگی کا کوئی دن یہاں تک کہ مرض موت کا کوئی لمحہ ضائع نہیں کیا۔

اسی کے لئے آپ نے شہروں اور دیہاتوں کے سفر اور دورے فرمائے اسی لئے آپ لوگوں سے بیعت اور عہد و پیمان لیتے تھے۔ اسی کے لئے مریدین کی تعلیم و تربیت تھی اور اسی کے لئے وعظ و تقریر، اودھ اور صوبہ متحدہ کے مشرقی حصے میں مدت دراز سے جہالت و ضلالت کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور یہ خطہ علماء و مصلحین کی ہدایت و توجہ اور اہل اللہ کے انفاس و برکات سے عرصہ دراز سے محروم چلا آ رہا تھا، اس مردم خیز سرزمین میں بلاشبہ بڑے بڑے مجتہدانہ قابلیت کے علماء، غیر فانی مصنف، جہاں استاد، عالم و معلم، بادشاہوں کے مخدوم، خادم علم، صاحب دل، درویش و صوفی، صاحب اسرار و حقائق عارف اور صاحب مقامات و کرامات سالک مجذوب پیدا ہوئے لیکن یہاں شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے خاندان کی کوئی نظیر نہیں تھی جس کی کوشش و برکت سے دہلی اور سہارنپور کے اطراف و نواح دارالاسلام کا نمونہ بن گئے اودھ کے ایک عالم کا مرتب کیا ہوا نصاب درس سارے ہندوستان میں رائج ہے اور اس طرح یہاں کے علم کا سکہ مشرق و مغرب میں رواں ہے لیکن اس عالم کے وطن ہی میں اور اس کے گرد و پیش کوئی تشرع زندگی اور دین داری کے آثار نہیں، نقشبندیوں کے ایک پرجوش خاندان (جس کے بزرگوں کا ذکر اس مضمون کی ابتدا میں ہوا ہے) البتہ اپنے حلقہ میں بڑی اصلاح کی اور بالخصوص احترام شریعت اور اتباع سنت کا علم بلند اور تقریباً دو صدیوں تک سنت و شریعت کی شمع روشن رکھی اور پھر آخر میں، اس کے ایک فرد حضرت سید احمد شہیدؒ نے اس کام کا بیڑا اٹھایا، علماء و مصلحین کے ایک گروہ عظیم کے ساتھ اودھ کے قصبات، شہروں اور دیہاتوں کا دورہ کیا، شرک و کفر اور بدعات کے خلاف لسانی اور عملی جہاد کیا، اور ہزاروں آدمیوں کو اسلام کے صحیح راستہ پر لگا دیا۔ لیکن سفر ہجرت و جہاد پیش آجانے کی وجہ سے اس کام کی تکمیل نہ ہو سکی پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جتنا اثر یوپی کے مغربی اور مشرقی حصہ پر ہوا، وہ وسطی حصہ اور اودھ پر نہیں ہوا، اور یہ دوآبہ آپ کے دریائے فیض سے اتنا سیراب نہ ہو سکا جتنا سہارنپور اور اس کے نواح یا جونپور اور اس کے اطراف۔

اودھ کے ان مخصوص حالات اور یہاں کی دینی ویرانی اور بے رونقی اور بدعات کی کثرت کے کچھ تاریخی اسباب ہیں ان میں سے تین سبب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

پہلا اور سب سے بڑا سبب اودھ کی سلطنت ہے، محمد شاہ کے عہد میں اودھ کی صوبہ داری برہان الملک نواب سعادت خاں محمد امین نیشاپوری کے حصہ میں آئی، جو اپنی نسل اور تہذیب کے اعتبار سے ایرانی اور مذہباً شیعہ تھے ان کے داماد صفدر جنگ منصور علی خاں اُن کے جانشین ہوئے اور انھیں کی اولاد میں یہ سلطنت آخر تک رہی یہاں تک کہ واجد علی شاہ اودھ سے انگریزوں نے حاصل کی، اس خاندان کو اودھ پر سوا سو برس سے زیادہ حکومت کرنے کا موقع ملا۔ ہندوستان کی دینی و اصلاحی تاریخ میں یہ عہد بڑا اہم ہے، اس کے آغاز میں دہلی میں حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنے علوم و فیض سے ایک عالم کو فیض یاب کر رہے تھے شاہ صاحب نے ۱۱۷۶ھ میں وفات پائی جو نواب شجاع الدولہ کی وزارت (اودھ) کا زمانہ ہے شاہ عبدالعزیز صاحب، آصف الدولہ اور نواب سعادت علی خاں اور غازی الدین حیدر کے معاصر ہیں، شاہ عبدالعزیز صاحب کے معاصر لکھنؤ میں مولانا سید دلدار علی نصیر آبادی مجتہد تھے جنھوں نے ہندوستان میں سب سے پہلے شیعوں میں جمعہ و جماعت قائم کی۔ ان کے زمانۂ اجتہاد میں مذہب شیعہ کی بڑی اشاعت و ترویج ہوئی۔ نواب آصف الدولہ کو بھی اس سے بڑی دلچسپی تھی، بکثرت شرفاء اور متعدد خاندان سادات نے مذہب شیعہ اختیار کر لیا، آخر میں امجد علی شاہ، (م ۱۲۶۳ھ) (والد واجد علی شاہ) کو اپنے مذہب کی اشاعت سے خاص شغف تھا، اور انھوں نے اس میں بڑا حصہ لیا۔

شیعیت کے ساتھ تشیع کی بڑی اشاعت ہوئی، اودھ کے مسلمانوں میں شیعوں کے خیالات و عقائد بکثرت مقبول ہو گئے، اور اُن کی معاشرت میں ان کے رسوم بے تکلف داخل ہو گئے، سنیوں میں تعزیہ داری اور مجلس خوانی کا رواج بھی یہاں کی خصوصیات میں سے ہے، بدعات اور بعض مشرکانہ اعمال کی بھی جو کثرت ہے وہ شاید دوسرے مقامات پر نہ ہوگی پھر اس کے۔۔ علاوہ عام دینی بے رونقی جو پورے اودھ میں پائی جاتی ہے، لکھنؤ جیسے بڑے شہر میں جو سو برس سے زائد تک مسلمانوں کا دارالسلطنت رہ چکا ہے جامع مسجد کا نہ ہونا، اور دوسرے شہروں میں بھی بڑی اور وسیع مسجدوں کی کمی اور ان کی بے رونقی اودھ کی خصوصیات اور یہاں کی سلطنت کے آثار میں سے ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ عقائد و اعمال کی اصلاح اتباع سنت کا ذوق و ولولہ، تبلیغ دین اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جوش اور حقیقی روحانیت اور صحیح دینی رنگ قرآن و حدیث سے پیدا ہوتا ہے، انھیں کے مطالعہ سے شریعت و غیر شریعت، سنت و بدعت، اور اپنے زمانہ اور خیر القرون کا فرق معلوم ہوتا ہے، منطق و فلسفہ اور علوم ادبیہ اور ریاضیہ کا نہ یہ موضوع ہے اور نہ ان باتوں سے سروکار، ان کے مطالعہ اور درس و تدریس اور ان میں انہماک کرنے سے نہ ان مسائل کی اہمیت پیدا ہو سکتی ہے اور نہ دینی اصلاح و تغیر کا شوق و جوش اور نہ بے دینی یا خلاف اُمور پر بے چینی اور بے قراری پیدا ہو سکتی ہے، اودھ کے علماء کو انھیں علوم عقلیہ میں انہماک تھا اور ان میں سے بعض کو ان علوم میں درجہ امامت و اجتہاد حاصل تھا لیکن علماء اودھ کی طویل فہرست میں مرزا حسن علی لکھنوی مولانا سید قطب الہدیٰ رائے بریلی اور مشکل سے ایک دو افراد کو چھوڑ کر (جو شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان کے شاگرد تھے اور وہاں سے حدیث کا ذوق لے کر آئے تھے)، ایسے لوگ نہیں ملتے جنھوں نے حدیث سے اشتغال کیا اور ان کی زندگی اس کی خدمت اور اشاعت میں صرف ہوئی ہو۔ بعض علماء نے علوم دینیہ کی طرف توجہ کی اور بعض رسائل اپنی یادگار چھوڑے لیکن یہ ان کی ذکاوت اور (بقیہ ص ۱۱ پر)

ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی!

سید صاحبؒ اور علوم قرآن

(۲)

مولانا محمد اویس نگرامی ندوی

خود ہی ارشاد فرمایا کہ میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ لفظ تختانون۔ اختیان سے ہے۔ اور اختیان کے معنی خیانت کرنے کے نہیں، بلکہ خیانت کی خواہش پیدا ہونے کے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ حکم بعض طبائع کے لئے پر از مشقت تھا اس لئے ان کے دلوں میں وساوس نفسانی پیدا ہوتے تھے گو وہ اس پر عمل نہ کرتے ہوں۔

ابھی اس تحقیق کے ظاہر فرمانے کے بعد سید صاحب نے فرمایا کہ کتابوں میں اس کو تلاش کرو، بالآخر امام راغب کی مفردات میں بعینہٖ یہی بات مل گئی اور سید صاحب بیحد خوش ہوئے ——— ایک بار درس قرآن کے موقع پر لفظ "حنیف" کی تشریح کرتے ...... ہوئے ارشاد فرمایا کہ کتب احادیث میں نبوت سے قبل کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک لفظ "یتحنث" کا آتا ہے جس کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کیا کرتے تھے، فرمایا کہ میرے ذوق میں یہ لفظ اصل میں تحنف ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم دین حنیفی (ابراہیمی)

اتفاق کی بات، میں کسی ضرورت سے ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ جلد ثالث ص ۵ دیکھ رہا تھا۔ اس میں ابن الاعرابی کے حوالہ سے یہی قول درج ہے۔ میں نے سید صاحب کے ملاحظہ میں پیش کیا۔ حسب معمول تبسم فرمایا اور اظہار طمانیت فرمایا۔

سید صاحب نے بائبل کا مطالعہ بہت غور و خوض سے کیا تھا۔ دار المصنفین میں بائبل کا جو نسخہ ان کے زیر مطالعہ تھا۔ اس کے شروع سادہ اوراق حوالوں سے بھرے ہوئے تھے۔ قرآن مجید کی ان آیات کی تحقیق میں جن کا تعلق اہل کتاب سے تھا اس مطالعہ سے وہ بیحد فائدہ اٹھاتے تھے۔ مثلاً قرآن مجید میں یہود کا ایک قول نقل ہے: وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ!

ہمارے مفسرین اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہود نے کہا کہ ہمارے دل تنگ ہیں اس لئے آپ کی بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ سید صاحب فرماتے تھے کہ مفسرین کا یہ قول باعتبار مقصد اور مطلب کے صحیح ہے مگر درحقیقت یہ لفظ یہود کا ایک محاورہ ہے۔ ایسے ہی مواقع پر وہ لفظ اغلف بولتے تھے جس کے حوالے اعمال باب ۷-۱۰-۱۱ اور رومیوں باب ۲ میں موجود ہے۔ غلف اسی مفہوم کا عربی ترجمہ ہے۔

درس قرآن کے سلسلے میں تفسیر طبری اور تفسیر روح المعانی سید صاحب کے پیش نظر رہا کرتی تھی، طبری کو بے حد پسند فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ اس کی تالیف کے وقت تک قرآن مجید کی جو خدمت کی گئی تھی سب اس میں جمع کر دی گئی تھی۔ نحوی مشکلات میں مغنی اللبیب ملاحظہ فرماتے اور کبھی کبھی ابو حیان کی البحر المحیط کی طرف بھی مراجعت فرماتے تھے۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے فوائد قرآنیہ کی ان کے نگاہوں میں بڑی اہمیت تھی۔ اس عہد کے علماء میں مولانا حمید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قرآنی ذوق سے بے حد متاثر تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مولانا مضامین سفینوں سے نہیں بلکہ سینہ سے لاتے ہیں۔

جمہور کی مسلک کی پابندی کا بے حد اہتمام تھا ایک بار مجھ سے فرمایا کہ میں پچاس سال کی تصنیفی زندگی کے تجربہ کے بعد آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ کسی تحقیق میں جمہور امت سے علیحدگی نہ ہو، فرمایا کہ ہر محقق کے کچھ تفردات ہوتے ہیں مگر یہ تفردات حسن قبول نہیں پاتے ہیں اگر ان تفردات پر زور دیا جاتا ہے تو اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا ہے کہ نظم ملت میں فرق پڑتا ہے۔

قرآن مجید کے درس کا طریق یہ تھا کہ جو آیت زیر درس ہوتی، اس مفہوم کی تمام آیات کو جمع فرماتے۔ ان کا قرآن مجید کا ذاتی نسخہ تمام آیات کو سامنے رکھ کر سباق اسباق کا لحاظ فرماتے ہوئے مفہوم متعین فرماتے اور اس کو سنت اور اقوال سلف سے مدلل فرماتے۔

قرآن مجید کی آیات کے باہمی ربط کا خاص خیال تھا، اور جب طبع سلیم کا علمی رجحان تصوف کی طرف ہوا تو علمی طرز کے صوفیانہ لطائف و نکات کی طرف بھی ذہن بار بار منتقل ہوتا رہتا تھا۔ ایک دن ارشاد فرمایا کہ بتلائیے، حضرات صوفیہ کی نسبت مصطلحہ کا قرآن مجید کی کس آیت سے استنباط ہو سکتا ہے؟ پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ میرے خیال میں آیت "رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ" اس نسبت کی حامل ہے۔

اس زمانہ میں قرآن فہمی کی وبا چل پڑی ہے جس نے عربی زبان کی چند کتابیں پڑھ لیں وہ فہم قرآن کا مدعی ہے۔ سید صاحب اس صورت حال سے بے حد متاثر تھے اور اس کو امت کے حق میں ایک بڑا فتنہ سمجھتے تھے اس زمانہ کے بعض مشاہیر کی غلطیوں کو بیان فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ باقاعدہ تعلیم نہ ہونے کے یہ نتائج ہیں۔

بے شبہ سید صاحب نے اپنے بعد قرآن مجید کی کوئی مستقل تفسیر نہیں چھوڑی مگر درحقیقت وہ قرآن مجید کی خدمت ایک نئے انداز سے کرنا چاہتے تھے ان کا خیال تھا کہ اس وقت سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن مجید سے جو علوم مستنبط ہو سکتے ہیں ان کو عصری مذاق کے مطابق الگ الگ منضبط کیا جائے زندگی کے مختلف نظام ہائے حیات کے نقشے قرآن اور احادیث صحیحہ سے مرتب کئے جائیں۔ اس نظریہ کے ماتحت سید صاحب نے قرآن مجید کے علوم کا بڑا ذخیرہ سیرۃ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری چار جلدوں میں جمع فرما دیا تھا۔ سیرۃ النبی کی ضخیم جلدوں میں قرآن مجید کو شمع راہ بنا کر سید صاحب نے اسلام کے اہم اور بنیادی مسائل کا ایک ایسا مدلل اور صحیح نظام مرتب فرما دیا جس کی نظیر سلف اور خلف میں نہیں ملتی ہے اور اسی سلسلہ میں آیات قرآنی کی ایسی گرہ کشائی فرمائی کہ پڑھنے والے کو طمانیت قلب اور شرح صدر کی دولت نصیب ہو جاتی ہے۔ سیرۃ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تیسری جلد کا موضوع دلائل و معجزات ہیں اس میں معجزات کے سلسلے میں قدیم و جدید فلسفیانہ بحثوں اور بیان معجزات کے سوا آیات و دلائل اور قرآن مجید کے عنوان سے ایک مستقل باب ہے۔ یہ باب درحقیقت حضرات انبیاء علیہم السلام کے نبوت کی زندگی کے ایک حصہ کی قرآنی تشریح ہے۔ اس باب کو پڑھنے کے بعد معجزات کا ایک مستقل نظام سامنے آ جاتا ہے اور تمام متعلقہ آیات پوری طرح حل ہو جاتی ہیں۔ آپ اسلامی کتب خانوں کی تمام کتابوں کو پڑھ ڈالیں مگر غالباً اس موضوع پر قرآنی نقطۂ نظر سے یہ بحث سیرت کے سوا کہیں نہ ملیں گی بے شبہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتاب النبوات میں اس طرز کی باتیں ملتی ہیں مگر خوب معلوم ہے کہ سیرت کی اس جلد کی تالیف کے

وقت سید صاحب کے پیش نظر یہ کتاب نہ تھی، سیرت کی چوتھی جلد کا موضوع منصب نبوت اور اسلام کے بنیادی عقائد ہیں یہ جلد بھی درحقیقت قرآن مجید کی متعلقہ آیات کی بے نظیر تشریحات پر مشتمل ہے۔ نبوت کی حقیقت اور اس کے لوازم و خصوصیات پر امام غزالیؒ نے معارج القدس میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغۃ میں گفتگو فرمائی ہے اور جو کچھ بیان فرمایا ہے۔ وہ حرف بحرف صحیح ہے مگر گذشتہ زمانے کے مقابلے میں اس دور میں خیالات اسلوب تحریر اور طریقۂ استدلال میں فرق آچکا ہے اس لئے سید صاحب کا اس باب میں اصل کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اس زمانہ کے لوگوں سے ان کی اصطلاح میں گفتگو فرمائی اور جو اصول قائم فرمائے اُن پر قرآن مجید سے اس طرح استدلال فرمایا کہ خواص اور علماء سے تحسین و آفریں کی عزت پائی۔ اسی جلد میں سید صاحب نے قرآن مجید کو سامنے رکھ کر تبلیغ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے اصول پر ایک بے مثل باب تحریر فرمایا ان مباحث کے بعد پھر پوری جلد اسلام کے بنیادی عقائد یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، رسولوں پر ایمان، اللہ کی کتابوں پر ایمان۔ یوم آخرت پر ایمان اور عقیدۂ تقدیر ایمان کی قرآنی تشریحات پر مشتمل ہے۔ ان مضامین کے ضمن میں قرآن مجید کی بعض اہم آیات کی قابل تشفی تحقیق فرمائی ہے۔ ایک بار خود سید صاحب نے مجھ سے یہ ارشاد فرمایا کہ بتلایئے کسی زبان میں ان مباحث پر اس ترتیب اور قرآنی تشریح کے ساتھ کوئی کتاب موجود ہے؟ ظاہر ہے کہ جواب نفی میں تھا۔

سیرت کی پانچویں جلد عبادات پر مشتمل ہے اس جلد میں سید صاحب نے پہلے کتاب اللہ سے عبادت الٰہی کا مقصد اور مفہوم کو متعین فرمایا پھر عبادات روزہ زکوٰۃ اور جہاد کی تفصیل فرمائی۔ ان کی تدریجی تاریخ اور ان کے مصالح و حکم سے پردہ اٹھایا مناظرانہ پہلو بچا کر دوسرے مذاہب سے مقابلہ اور موازنہ فرمایا مگر ان تمام مباحث میں بنیاد قرآن ہی رہا اور اس سلسلہ میں بعض مباحث قرآنیہ مثلاً نماز کے اوقات۔ نماز کی رکعات، سمت قبلہ۔ ایام روزہ کی تحدید وغیرہ پر ایسی محققانہ گفتگو فرمائی کہ بہت سے عصری فتنوں کا سد باب ہوگیا۔ آخر میں عبادات قلبیہ تقویٰ اخلاص، توکل، صبر و شکر کے متعلق آیات قرآنی کو جمع کرکے ان کے حقائق کی پردہ کشائی فرمائی۔

سیرت کی چھٹی جلد کا موضوع اخلاق ہے اس سلسلہ میں سید صاحب کا بے نظیر کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے قرآن مجید سے اسلام کا اخلاقی فلسفہ مرتب فرمایا جو اپنے طرز کی بالکل پہلی چیز ہے۔ اس کے بعد حقوق فضائل اخلاق رذائل اور آداب کے ابواب مقرر فرمائے اور ان عنوانات کے تحت میں اسلام کی تعلیمات اخلاقی کی تشریح فرمائی ان تمام مواقع پر قرآن پاک کے استناد کو آگے رکھا اور اسی کے پرتو میں احادیث صحیحہ کو واضح فرمایا۔ سیرۃ النبی کے اس اجمالی تعارف سے اندازہ ہوا ہوگا کہ سیرت کا موضوع حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے واقعات کا محض استقصا نہیں ہے بلکہ اس سلسلہ میں قرآن مجید کو سامنے رکھ کر اسلام کے بنیادی مسائل کی حکیمانہ تشریح کی گئی ہے اور قرآن مجید کے علوم کو مختلف ابواب و عنوانات میں پھیلایا گیا ہے۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ساتویں جلد ناتمام رہی ورنہ اہل علم کی نگاہوں کے سامنے سید صاحب کے علوم قرآن کا ایک اہم دفتر سامنے آتا آہ ےاستاذ مرحوم

ـــ زمانہ بڑے غور سے سن رہا تھا
تمہیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

سید صاحب کے علوم قرآن کا یہ وہ ذخیرہ ہے جو سیرت کے اوراق میں موجود ہے اس کے سوا دوسری نوعیتوں سے بھی سید صاحب نے قرآن مجید کی بلند پایہ خدمتیں انجام دیں۔ اس کا مختصر حال بھی سن لینا ضروری ہے۔

(۱) قرآن مجید میں بیسیوں قوموں شہروں اور مقامات کے نام آئے ہیں عجیب بات ہے کہ تیرہ سو برس کی مدت میں ان کی تاریخ پر کسی نے قلم نہیں اٹھایا اللہ تعالیٰ نے سید صاحب کو توفیق نصیب فرمائی اور انھوں نے دو جلدوں میں ارض القرآن کے نام سے ایک کتاب لکھ کر اسلامی علوم میں ایک ایسے علم کا اضافہ فرمایا جس سے قرآن مجید کی صداقت اور معترضین کی لغزش آشکارا ہوگئی

(۲) فرقۂ معتزلہ میں ابو مسلم اصفہانی ایک متبحر عالم گزرے ہیں جو اپنی جماعت میں قرآن مجید کی تحقیق میں ممتاز تھے مگر ان کی کوئی تفسیر اب موجود نہیں ہے۔ البتہ امام رازی کی تفسیر میں ان کی رائیں اور ان کی تحقیقات درج ہیں۔ سید صاحب نے دارالمصنفین کے ایک رفیق کے ذریعہ ان کو جمع کرایا اور تفسیر ابو مسلم اصفہانی کے نام سے اس کو شائع فرمایا۔

(۳) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر مختلف چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں۔ قرآنی علوم میں اقسام القرآن کے نام سے یہ قسمیں ایک مستقل فن قرار پاگئی ہیں۔ اس پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مولانا حمیدالدین فراہیؒ نے اسی عنوان پر ایک محققانہ کتاب تحریر فرمائی تھی سید صاحب نے ایک مقدمہ لکھ کر مصر سے اس کتاب کو شائع کرایا۔

(۴) حافظ ابن قیمؒ کو فہم قرآن میں ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ مگر چند سورتوں کی تفسیر کے سوا ان کی مستقل تفسیر نہیں ملتی۔ البتہ ان کی تصانیف میں بے شمار تفسیری آیات موجود تھیں۔ سید صاحب کے اشارے و تائید سے ان تمام تفسیری آیات کا ایک مجموعہ تیار ہوا اور دو تین برس ہوئے کہ پانچ سو صفحات میں چھپکر مصر سے "التفسیر القیم" کے نام سے یہ کتاب شائع ہوئی ہے ان مطبوعہ چیزوں کے سوا سید صاحب کی ہدایت و نگرانی میں قرآن مجید کی بعض اور خدمتیں بھی انجام پائیں جو ابھی طبع ہوکر منظر عام پر نہیں آسکی ہیں مگر وہ سننے کے لائق ہیں۔

(۱) سید صاحبؒ فرماتے تھے کہ جب میں دارالعلوم میں ادب کا مدرس تھا اس وقت سے میرا خیال تھا کہ معانی و بلاغت کی کتابوں میں مثال کے طور پر جن آیات کو پیش کیا گیا ہے اور ان کے لطائف ادبیہ کو واضح کیا گیا ہے اگر ان کو جمع کردیا جائے اور سورتوں کی ترتیب پر ان کو مرتب کردیا جائے تو قرآن مجید پر ادبی حیثیت سے کام کرنے والوں کے ہاتھ میں ایک بہترین مجموعہ آجائے گا الحمدللہ کہ سید صاحب کی نگرانی میں دو جلدوں میں مجموعہ تیار ہوا۔

(۲) اعجاز القرآن، علوم قرآن میں سے ایک مستقل علم ہے متقدمین اور متاخرین نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق برابر اس عنوان پر توجہ کی ہے۔ اس موضوع پر مستقل کتابیں بھی لکھی گئی ہیں اور ضمناً بھی کتابوں میں اس بحث پر مواد موجود ہے۔ سید صاحب کا خیال تھا کہ اسلام کے عہد تصنیف سے لیکر اس وقت تک اس موضوع پر جو کچھ لکھا گیا ہے سنین کی ترتیب کے ساتھ ان کو جمع کیا جائے تاکہ یہ واضح ہوسکے کہ ہر عہد میں اس عہد کے مذاق کے مطابق کیا کیا خیالات ظاہر کئے گئے اور اس عنوان پر ایک جامع کتاب تیار ہو جائے۔ خدا کے فضل و کرم سے یہ کتاب بھی ایک جلد میں تیار ہو چکی تھی۔

(۳) دارالمصنفین کے کتب خانہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی الفوز الکبیر فی اصول التفسیر کا ایک قلمی نسخہ ہے۔ اسی نسخہ میں شاہ صاحب کا ایک رسالہ اصول ترجمہ قرآن کے متعلق اور دوسرا رسالہ شاہ صاحب کے حواشی قرآن کے متعلق بھی ہے مولانا عبیداللہ صاحب سندھی مرحوم نے (بقیہ ص ۱۶ پر)

ہندوستان میں عربی لغت پر کام

سید محمد ثانی حسنی مدیر "رضوان"

(۱)

ہندوستان اور عرب کے تعلقات کی ابتدا تو بہت پہلے سے ہو چکی تھی لیکن گہرا اور پائدار تعلق اس وقت ہوا جب مسلمان عربوں نے ہندوستان کی سرزمین پر اپنے قدم رکھے اس وقت سے عربی تہذیب و تمدن اور عربی زبان نے ہندوستانیوں کے دلوں میں اپنا گھر کرنا شروع کیا، ہندوستانی علماء نے عربی زبان و ادب میں اسی طرح دستگاہ حاصل کی جس طرح دوسرے علوم و فنون میں حاصل کی تھی، بڑے بڑے عربی شاعر و ادیب پیدا ہوئے، اس سلسلہ میں تاریخ ابوعطاء السندی کو فراموش نہیں کرسکتی جو باوجود ہندوستانی نژاد ہونے کے عربی زبان کے ایک بڑے بلیغ شاعر گذرے ہیں، اسی طرح عربوں کے ورود کے بعد سب سے پہلے مصنف بھی ایک ہندوستانی عالم ہوئے جن کو تاریخ ابوبکر ربیع بن صبیح السعدی (م ۱۶۰ھ) کے نام سے یاد کرتی ہے۔

علم لغت چونکہ زبان ہی کی ایک کڑی ہے اس کے بغیر زبان کا سمجھنا ممکن سا ہے اس لئے لغت عربی کے سلسلہ میں ہندوستان میں جو کام ہوا ہے وہ درج ذیل ہے:

عربی لغت حقیقی معنوں میں جن کی منون احسان ہے اور بلا کسی تکلف کے جن کا نام سرفہرست لیا جا سکتا ہے ان میں سب سے پہلا نام حسن بن محمد الصغانی کا نام ہے ان کا انتقال ۶۵۰ھ میں ہوا، انھوں نے "العباب الزاخر" کے نام سے ایک ایسی کتاب لکھی ہے جو اس فن میں سب سے پہلی اور ممتاز کتاب ہے

(۲) لغت عربی پر گہرا کام کرنے والے دوسرے عالم کا نام شیخ محمد بن طاہر پٹنی کا ہے، انھوں نے حدیث نبوی کی ایک جامع اور مفصل لغت تیار کی ہے جس کا نام "مجمع بحار الانوار فی غریب الحدیث" ہے۔

(۳) تیسرے عالم سید مرتضیٰ الزبیدی ہیں جنھوں نے "تاج العروس" کے نام سے لغت عربی پر مکمل کام کیا ہے، ان کا انتقال ۱۲۰۵ھ میں ہوا، ان عام مصنفین کا اور ان کتابوں کا صرف ہندوستان ہی کے اہل علم پر احسان نہیں، بلکہ یہ کتابیں ایسی معرکۃ الآراء ہیں کہ عرب کے اہل علم اور ممتاز علماء تک اُن کی عظمت کے قائل ہیں، عرب علماء نے اور لغت پر کام کرنے والے عرب فضلاء نے برابر ان کتابوں سے استفادے کئے اور اب تک کرتے ہیں، انھوں نے ان کتابوں کے حاشئے لکھے ان کی شرحیں تیار کیں ان کے اقتباسات لئے اُن کے خلاصے کئے۔

اس سلسلہ کی تصنیفات درج ذیل ہیں۔

اس فن میں سب سے پہلی کتاب جو ہندوستان کے ایک عالم نے لکھی ہے وہ ہے۔ "العباب الزاخر فی اللغۃ والتراکیب" یہ کتاب ۲۰ جلدوں پر مشتمل ہے اور پھر بھی اس کی تکمیل نہ ہوسکی اور مصنف کی زندگی نے اپنی عمر پوری کردی، چلپی صاحب "کشف الظنون" نے لکھا ہے:

ان الصغانی مات قبل أن یکمله بلغ فیه إلی المیم ووقف فی مادۃ "بکم" ولهذا قیل

ان الصغانی الذی حاز العلوم والحکم
کان قصاری امرہ أن انتهی إلی "بکم"

شیخ صغانی جو اس کتاب کے مصنف ہیں اُن کا پورا نام رضی الدین ابو الفضائل حسن بن محمد بن حیدر بن علی العدوی العمری الصغانی ہے، یہ بزرگ لاہور میں (جو پنجاب کا ایک آباد شہر ہے) ۵۷۷ھ میں پیدا ہوئے اور غزنی میں پرورش پائی، یہ زمانہ خسرو ملک بن خسرو شاہ غزنوی کا تھا۔ کچھ عرصہ بغداد میں رہے اور وہیں سے ہندوستان آئے اور کچھ دن رہ کر حج کرنے گئے اور یمن ہوتے ہوئے رضیہ بنت سلطان التمش سلطان ہند کے دربار میں عباسی خلیفہ مستنصر باللہ کی طرف سے ایلچی بن کر آئے اور پھر بغداد واپس چلے گئے اور وہیں ۶۵۰ھ میں انتقال کیا، امام سیوطی ان کی تعریف میں فرماتے ہیں: "إنه کان حامل لواء اللغة" امام ذہبی کا قول ہے إن الیه المنتهی فی اللغة" اور شیخ دمیاطی فرماتے ہیں: انه کان اماماً فی اللغة والفقه والحدیث، وان الصغانی انشرنا لنفسه"

تمو بلغت مسربال القناعة والرضا
صیاوعانانی الکهولة دیدنی
وقد کان نیمانی إلی حتف بالرضا
وبالحضوأن أُدنی بین اُمن بدی بدی

شیخ صغانی نے لغت پر حسب ذیل اور بھی کتابیں لکھی ہیں (۱) مجمع البحرین جو ۱۲ جلدوں پر مشتمل ہے۔ (۲) اسماء الفار (۳) اسماء الذهب (۴) اسماء الاسد (۵) النوادر۔

(۲) لغت کے سلسلہ میں دوسری ضخیم اور جامع کتاب جو ہم کو ملتی ہے وہ ہے مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل ولطائف الاخبار۔ یہ کتاب چار جلدوں پر مشتمل ہے یہ دراصل صحاح ستہ کی شرح ہے۔ اس میں قرآن و حدیث کے مطالب کو اجاگر کیا گیا ہے اور ان کی لغات پر بحث کی گئی ہے۔ ہندوستان کے ایک بڑے مصنف اور اہل علم نواب صدیق حسن خاں صاحب جنھوں نے خود لغت پر بڑا کام کیا ہے اس کتاب پر اس طرح تبصرہ کرتے ہیں:۔

"کتاب متفق علی قبوله بین اهل العلم منذ ظهر فی الوجود وله منة عظیمة بذلک الصنیع علی أهل العلم"

اس کتاب کے مصنف شیخ محمد طاہر بن علی پٹنی گجراتی ہیں جو فن حدیث میں ایسا ملکہ رکھتے تھے کہ ان کے فضل و کمال کی شہرت ساری دنیا میں ہے انکی تصنیفات سے حجاز و شام و مصر کے علماء تک بے نیاز نہیں ہیں ان کی ساری عمر تصنیف و تالیف میں گذری ہے۔ ۹۱۳ھ میں پٹن (جو صوبہ گجرات کا ایک شہر ہے) میں پیدا ہوئے۔ اور ۹۸۶ھ میں شہادت حاصل کی۔ ان کی ایک دوسری کتاب بھی ہے جس کا نام "کتاب فی حل غرائب مشکوٰۃ المصابیح" باقی

سوانح
حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری
از مولانا ابوالحسن علی ندوی
حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ اس عہد آخر میں اولیائے کاملین کا نمونہ تھے انکے فیض صحبت و ترتیب اصلاح و ارشاد سے ہندوستان و پاکستان کے لاکھوں مسلمانوں کو فائدہ پہنچا (۳۳۲) صفحے کی اس کتاب میں حضرت مولانا رائپوری کی سیرت اور شخصیت انکے نمایاں صفات، ان کا انداز تربیت، آواز و جاذبیت، تعلق و خلوص و محبت ہر چیز زندہ و متحرک بن کر سامنے آگئی ہے۔ قیمت مجلد پانچ روپے۔ ۵۰
مکتبہ اسلام، ۳۷ گوئن روڈ لکھنؤ

پھر اشکوں سے کچھ شرحِ جذبات ہوتی

از: زائرِ حرم حمید صدیقی لکھنوی

پھر اہلِ حرم سے ملاقات ہوتی — پھر اشکوں سے کچھ شرحِ جذبات ہوتی
دمِ دید پھر جلوۂ نو بہ نو سے — مرے چشم و دل کی مدارات ہوتی
مدینے کی پرنور و دلکش فضا میں — نظر محوِ دیدِ مقامات ہوتی
اُدھر جلوہ گر قبّۂ نور ہوتا — دل افروز ادھر چاندنی رات ہوتی
مدینہ کے احباب ہمراہ ہوتے — شبِ ماہ میں سیرِ باغات ہوتی
نظر مستِ صہبائے دیدار رہتی — زباں وقفِ حرف و حکایات ہوتی
خبر کچھ نہ رہتی زمین و زماں کی — وہ محویّتِ خاص دن رات ہوتی
پہنچ جائیں پائینِ اقدس کی جانب — یہی آرزو اکثر اوقات ہوتی
تصور میں وہ مصحفِ پاک ہوتا — نگاہوں میں تنویرِ آیات ہوتی
دعاؤں میں جامیؔ کے اشعار پڑھتے — نظامیؔ کی لب پر مناجات ہوتی
اِدھر چشمِ پرنم سے آنسو ٹپکتے — اُدھر رحمتِ حق کی برسات ہوتی
ادب مانعِ عرضِ اظہار ہوتا — نظر ترجمانِ خیالات ہوتی
فرشتے جسے سُن کے آمین کہتے — اک ایسی دعا بعض اوقات ہوتی
لبِ شوق سے گو نہ اظہار ہوتا — مگر دل کو محسوس ہر بات ہوتی
بہت دن غمِ ہجرِ طیبہ میں گزرے — بس اب کچھ تلافیٔ مافات ہوتی

امتعنی بہذا البلد یا الٰہی
دعا یہ حمیدؔ اپنی دن رات ہوتی

اسلامی جہاد اور اسکی حقیقت

مجاہدینِ اسلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب

(۲)

حبیب الرحمٰن ندوی

مسلم شریف کی اس روایت میں یہ تفصیل بھی ہے کہ ایک مشہور صحابی حضرت عمیرؓ بن حمام کھجور کھا رہے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ سنکر انھوں نے اسے پھینک دیا تاکہ جلد سے جلد میدانِ جنگ میں پہونچکر شہادت حاصل کریں اللہ اللہ! جہاں ملک گیری، لوٹ مار اور حصولِ منفعت اور کہاں امن و انسانیت کے تحفظ کے لئے خدا کی راہ میں جنگ کرنے اور شہادت حاصل کرنے کا جذبہ حقیقت یہ ہے کہ خلوص، بے نفسی اور خدا پرستی کا یہ مظاہرہ دنیا کی تاریخ میں اسلام کے سوا اور کہیں ملنا مشکل ہی نہیں ناممکن اور محال بھی ہے — تفصیل کی گنجائش نہیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ اور خطبے پیش کئے جاتے ہیں۔ آپ ان خطبوں کو غور سے پڑھیں اور مخالفینِ اسلام کے اس خانہ ساز اعتراض پر کہ اسلام ایک تشدد پسند مذہب ہے غور کریں — دراصل ان کا مقصد اس کے سوا کچھ اور نہیں کہ الفاظ و اعتراض کے چکر میں پھنسا کر مسلمانوں کو جہاد جیسی عظیم چیز سے غافل کردیا جائے کیونکہ وہ خوب جانتے ہیں یہ جہاد وہ چیز ہے جس سے ظلم و تعدی کا سارا کھیل ہی تارِ عنکبوت کی طرح فضا میں منتشر ہوکر رہ جاتا ہے۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ مخالفین اپنے مقصد میں کامیاب ہیں۔ کیونکہ مسلمان صرف چند مذہبی عقائد اور مذہبی رسومات کی ادائیگی کو ہی اصل دین سمجھ کر جہاد جیسے اہم فریضے سے جس پر وہ مامور کئے گئے تھے غافل ہو بیٹھے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ آج ذلت و خواری کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں، غزوۂ احد کا یہ خطبہ پڑھئے جس میں اس حقیقت کو بڑے موثر، عمدہ اور دلنشیں اندازِ بیان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدینِ اسلام کے سامنے پیش کیا ہے:

أیھا الناس أوصیکم بما أوصانی به الله فی کتابه من العمل بطاعته والتناهی عن محارمه.. ثم انکم الیوم بمنزل أجر وذکر لمن ذکر الذی علیه ثم وطن نفسه علی الصبر والیقین والجد والنشاط فان جهاد العدو شدید کریه - قلیل من یصبر علیه إلا من له عزم علی رشده، إن الله مع من أطاعه وان الشیطان مع من عصاه. فاستفتحوا أعمالکم بالصبر علی الجهاد والتمسوا بذلك ما وعدکم الله وعلیکم بالذی أمرکم به فانی حریص علی رشدکم إن الاختلاف والتنازع والتثبط من أمر العجز والضعف وهو مما لا یحبه الله، ولا یعطی علیه النصر والظفر (خطباتِ محمدی)

(ترجمہ) لوگو! میں تم کو اسی بات کی وصیت کرتا ہوں جس کی جنابِ باری تعالےٰ نے اپنی کتاب میں وصیت فرمائی ہے یعنی تم اسی کی اطاعت کرو اور اس کے منع کردہ کاموں سے رک جاؤ۔ دیکھو آج تم اجر و ذکر کی جگہ میں ہو، جو شخص اجر و ذکر پر جم جائے گا اور صبر و یقین اور خوش نفسی سے جہاد کرے گا وہ خدا کے یہاں اجر پائے گا اور اس کا نام دونوں جہان میں بلند ہوگا — مسلمانو! دشمن سے جہاد کرنا سخت کام ہے جو نفس پر گراں گزرتا ہے۔ چنانچہ بہت کم لوگ اس پر صبر کرتے ہیں — یاد رکھو ثابت قدم اور فائز المرام وہی لوگ ہیں جو رشد و رغبت والے ہیں جن کے دلوں میں دین بچ گیا ہے۔ بیشک اللہ اپنے اطاعت گزاروں کے ساتھ ہے اور جو نافرمان ہیں ان کے ساتھ شیطان ہے۔ دیکھو اپنے اعمال کو جہاد کی سختیوں پر صبر کرنے سے شروع کرو کیونکہ اس سے تم خدا کے وعدوں کی نعمتیں حاصل کرسکتے ہو میری فرماں برداری کا ہمیشہ خیال رکھو کیونکہ میں تمہارا خیرخواہ ہوں اختلاف، انتشار اور جہاد سے جی چرانا تمھیں عاجز اور ضعیف کردے گا اور یہ چیز خدا کو ناپسند ہے اور اس کے بعد نصرت و ظفر اور غلبہ و ترقی بند کردی جاتی ہے۔"

موجودہ حالات میں یہ آخری الفاظ کہ انتشار، اختلاف اور جہاد سے جی چرانا تمھیں ضعیف کردے گا اور اس کے بعد غلبہ و ترقی بند کردی جائے گی، یقیناً ہم لوگوں کے لئے خاص طور پر قابلِ غور ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مصائب و طوفان سے لڑنے والے ہی دنیا میں زندہ رہتے ہیں وہ لوگ جن کا کوئی نقیب امین نہ ہو جو حق و انصاف کے لئے لڑنے اور مرنے کے لئے تیار نہ ہوں شاید قدرت بھی ان کی کوئی مدد نہیں کرتی دور جانے کی ضرورت نہیں ہماری اپنی زندگی اس کی ایک واضح ترین مثال ہے کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اب ہم میں یہ حوصلہ بھی نہیں کہ خود اپنی حفاظت کرسکیں۔ باعزت زندہ رہنے کا وہ حق جو قدرت نے ہمیں عطا کیا تھا ہم نے اسے بھی دوسروں کے ہاتھ میں دے رکھا ہے یقیناً یہ صورتِ حال انتہائی تشویش ناک اور مایوس کن ہے۔ کاش ہم اپنے وقار اور فرائض کا خیال کرتے اور دوسروں کا دستِ نگر بن کر رہنے کے بجائے خود اپنے قوتِ بازو کے بل بوتے پر زندہ رہنے کا عزم کرلیتے تو شاید ہماری یہ حالت باقی نہ رہتی۔ جنگِ احد میں جب مسلمان افراتفری کا شکار ہوگئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ انھیں جمع کیا اور بطور خطبہ آپؐ نے یہ دعا فرمائی:

اللّٰھم لك الحمد - اللّٰھم لا قابض لما بسطت ولا مانع لما أعطیت ولا معطی لما منعت ولا هادی لمن أضللت ولا مضل لمن هدیت ولا مقرب لمن باعدت ولا مباعد لمن قربت اللّٰھم أسألك من برکاتك ورحمتك وفضلك وعافیتك اللّٰھم أسألك النعیم المقیم الذی لا یحول ولا یزول - اللّٰھم أسألك الأمن یوم الخوف والغنا یوم الفاقة - عائذا بك - اللّٰھم من شر ما أعطیت ومن شر ما منعت — اللّٰھم توفنا مسلمین - اللّٰھم حبب إلینا الایمان وزینه فی قلوبنا وکره إلینا الکفر والفسوق والعصیان واجعلنا من الراشدین - اللّٰھم عذب کفرة أهل الکتاب الذین یکذبون رسلك ویصدون عن سبیلك اللّٰھم انزل علیهم رجزك وعذابك اله الحق - آمین (خطباتِ محمدی)

(ترجمہ) "اے اللہ تمام تعریف تیرے لئے ہے تو جس پر تنگی کردے اس پر کوئی کشادگی نہیں کرسکتا۔ اے اللہ جسے تو دے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ پروردگار اس کا کوئی ہادی نہیں جسے تو بہکا دے اور اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا جس کی رہبری تیری طرف سے ہو۔ خدایا اسے قریب کرنے والا کوئی نہیں جسے تو دور ڈال دے اور اس کا دور کرنے والا اور کوئی نہیں جسے تو قریب کرے خداوندا میں تجھ سے تیری برکت و رحمت اور فضل و عافیت طلب کرتا ہوں۔ اے اللہ میں تجھ سے وہ دائمی نعمتیں مانگتا ہوں جو نہ ٹلیں نہ ڈھلیں۔ خدایا خوف والے دن مجھے امن عطا فرما اور فقر و فاقہ والے دن تونگری

(بقیہ صفحہ پر)

دنیا کی زندگی

کی اصل حقیقت اور اسکی بلیغ تمثیل

سعید الرحمن الاعظمی

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا مونڈھا پکڑ کر فرمایا کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل "رواہ البخاری" دنیا میں بالکل ایک مسافر یا راہ گیر کی طرح رہو۔ ابن ماجہ کی روایت میں اس کے ساتھ اتنا اضافہ اور ہے " وعد نفسک من اھل القبور " اور اپنے آپ کو اہل قبور میں شمار کرو "

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کے لئے دنیا میں زندگی گزارنا مقدر فرمایا اور حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے ذریعہ دنیاوی زندگی کو آخرت کی زندگی کے لئے ایک وسیلہ قرار دیا تو یہ بات دنیا میں انسانی زندگی کے ایک عبوری دور ہونے کی دلیل تھی اور دنیا کو زندگی کی آزمائش گاہ بنانے کا فیصلہ تھا، گویا انسان کو یہ باور کرانا تھا کہ دنیا در اصل تمہاری قیام گاہ اور مستقر نہیں ہے بلکہ وہ مستقل زندگی اور دائمی قیام گاہ کی وہ راہ ہے جسکو طے کئے بغیر کوئی شخص منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ انسان کو یہ سبق دینا تھا کہ تم اپنی اصل منزل سے دور ایک مسافرت کی منزل میں ہو اور اپنی متعین زمین و آسمان سے نکل کر ایک ایسی دنیا سے گذر رہے ہو جس کی حیثیت مسافر کے سفر سے زیادہ نہیں ہے

جس طرح مسافر سفر کی منزل کو جلد سے جلد طے کر کے منزل مقصود تک پہونچنے کی کوشش کرتا ہے اور سفر کی صعوبتوں کے پیش نظر وہ اپنی اقامت گاہ کی راحت کا امیدوار رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح ایک مومن اپنی اصل قیام گاہ آخرت تک پہونچنے کے لئے بیتاب رہتا ہے اور دنیا کی زندگی کو سفر کی پُر مشقت ساعت تصور کرتا ہے، البتہ وہ اپنے اس سفر کو کامیاب بنانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے تاکہ واپسی میں اس کو زیادہ سے زیادہ مسرت حاصل ہو، اور کامیابی کے تصور کے ساتھ ہی اس کو اپنے سفر کی ہر مشقت بے حقیقت معلوم ہونے لگتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ ہدایت فرمائی کہ وہ دنیا کو مسافر کی زندگی سے زیادہ حیثیت نہ دیں۔ اور یہاں وہ ... خالص مسافر بن کر رہیں تاکہ مسافرانہ زندگی کے تمام لوازمات ان کے اندر موجود ہوں۔ سفر کی صعوبت کا احساس، امید وبیم کی کیفیت، زادِ راہ ختم ہو جانے کی فکر، وطن کی محبت، اہل وعیال سے ملنے کا شوق، دوست واحباب کو دیکھنے کی خواہش پھر ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ سفر کے مقصد کو کامیاب بنانے کی پوری کوشش اور سلامتی کے ساتھ لوٹنے کی تمنا، یہ وہ احساسات وکیفیات ہیں جو ہر مسافر کے اندر موجود ہوتی ہیں۔

انسان اس دنیا میں آخرت کی زندگی کو کامیاب بنانے کا ایک عظیم مقصد لیکر آیا ہے۔ اس کی اصل منزل یہ زندگی نہیں ہے لیکن زندگی کا یہ سفر اس کی کامیابی یا ناکامی کا پیش خیمہ ہے، اگر اس کا یہ سفر کامیاب رہا تو یقیناً اس کو اپنے اصل مرکز کی طرف لوٹنے میں جو مسرت ہوگی اور اس کا وہ بے حد مشتاق ہوگا، لیکن ناکامی کی صورت میں وہ اسی کے برعکس ملول وغمگین ہوگا اور اس کو وطن کی طرف لوٹنے میں کوئی خوشی نہ ہوگی۔

ایک مسلمان جب دنیا کو اس نقطۂ نظر سے دیکھے اور زندگی کو محض مسافرت کے چند لمحات تصور کرے اور یہ یقین رکھے کہ وہ اس سفر میں ایک دوسری زندگی کو کامیاب بنانے کا مقصد لیکر آیا ہے، اور وہی زندگی اصل اور دائمی ہے تو بلا شبہ اس کو اپنے سفر کے کامیاب بنانے اور اپنے مقصد کو پورا کرنے کی فکر ہوگی وہ اس راہ میں ان تمام وسائل وذرائع کو استعمال کرے گا جو اس کے قابو میں ہوں گے۔

حدیث کا دوسرا ٹکڑا ہے کہ اپنے آپ کو اہل قبور میں شمار کرو جس طرح ایک بے جان ڈھانچہ ہر طرح کے فخر وتکبر اور آلائشوں سے پاک ہوتا ہے بالکل اسی طرح وہ بھی اپنے نفس کو ہر طرح کے گناہوں سے پاک رکھے، یا یہ کہ اس کا مرنا اتنا یقینی ہے کہ وہ اپنے آپ کو مردوں میں شمار کرتا رہے، اور ہر آنے والے لمحہ کو موت کا لمحہ تصور کرے۔

ظاہر ہے کہ جب انسان کو اپنی موت کا اس قدر یقین ہوگا تو ہرگز دنیا کی چند روزہ اور فانی لذتوں کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرے گا اور جائز حدود میں رہ کر بقدرِ ضرورت ہر نعمت سے متمتع ہوگا اور اس تمتع میں بھی کسی وقت موت کے احساس سے وہ غافل نہیں ہوگا بلکہ موت کے استحضار کے ساتھ ساتھ اللہ کے حضور میں اپنے اعمال وکردار کا جواب دہ ہونے کی شدید فکر میں مبتلا رہیگا

فرمانِ نبوی کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل محض ایک حکمت کا جملہ یا ادبی شہ پارہ نہیں ہے بلکہ وہ سب سے پہلے دنیا میں انسانی زندگی کا ایک اہم اصول ہے اور وہ بنیاد ہے جس پر زندگی کی تمام لذت و آسائش اور دنیا کی دلفریبیوں سے متمتع ہونے کا متوازن حساب سمجھ میں آتا ہے، سرائے میں قیام کرنے والے مسافر کو محض اس سے دلچسپی ہو سکتی ہے کہ کسی طرح سفر کے چند دن اس میں عافیت کے ساتھ گذر جائیں، اس کو اس سے قطعاً کوئی دلچسپی یا تعلق نہ ہوگا کہ وہ اس سرائے کے ساز وسامان میں اضافہ کرے اور اس کی ہر چیز پر للچائی ہوئی نگاہ ڈالے بلکہ اس کا ایک ایک لمحہ بے چینی اور کرب کے عالم میں گذرے گا اور اس مبارک ساعت کا اس کو بے چینی سے انتظار رہے گا جبکہ وہ اپنا رخت سفر وہاں سے اٹھا کر وطن کی راہ لے۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ دنیاوی لذتوں سے اتنا ہی کافی ہے جتنا ایک مسافر کو سفر کے وقت زادِ سفر کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لے گئے تو آپ کو ایک چٹائی پر لیٹا ہوا پایا، اور اس چٹائی کے نشانات پہلوئے مبارک پر ظاہر ہو گئے تھے یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اگر آپ ذرا اس سے نرم کوئی بستر بنا لیتے تو زیادہ بہتر ہوتا، اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مالی وللدنیا والذی نفسی بیدہ ما مثلی ومثل الدنیا الا کراکب سار فی یوم صائف فاستظل تحت شجرۃ ساعۃ من نھار ثم راح وترکھا۔

" مجھے دنیا سے کیا لینا ہے، خدا کی قسم میری اور دنیا کی مثال اس مسافر کی سی ہے جو گرمیوں کے زمانے میں سفر پر نکلا ہو اور دن کے کسی حصہ میں تھوڑی دیر کسی درخت کے نیچے بیٹھ کر سایہ لے لے پھر اسے چھوڑ کر چلا جائے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات زندگی اگر ہمارے پیش نظر ہوں تو اس سے دنیا کی حقارت وبے قیمتی پوری طرح ہمارے سامنے آجائے دنیا کی ہر راحت تلخ اور ہر لذت بے لطف ہو کر رہ جائے اور زندگی کی اصل منزل کا اشتیاق بے پایاں ہر فانی چیز سے بے نیاز بنادے اور دنیا محض ایک بازیچۂ اطفال نظر آنے لگے قرآن نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

وما ھٰذہ الحیاۃ الدنیا الا لھو ولعب وان الدار الآخرۃ لھی الحیوان (دنیاوی زندگی تو محض لہو لعب ہے اور آخرت ہی اصل زندگی ہے۔

تھوڑی دیر اہلِ حق کے ساتھ

محمد یونس نگرامی ندوی

(۱)

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔

"جب تم یہ محسوس کرو کہ تمہاری عقل فانی چیزوں کو ترجیح دیتی ہے ہمیشگی و باقی رہنے والی اشیاء پر تو سمجھ لو کہ عقلی توازن برقرار نہیں ہے۔ اور جب تمہارے دل سے اللہ کی محبت اور اس سے ملنے کی تمنا رخصت ہو جائے اور اس جگہ مخلوق کی محبت گھر لے دنیاوی چیزوں کو زیادہ پسند کرنے لگے تو سمجھ لو کہ اس کی موت واقع ہو گئی ہے اور جب تمہاری آنکھ خدا کے خوف میں ایک قطرہ آنسو گرانے سے انکار کرے تو سمجھ لو کہ قساوت قلبی کی انتہا ہے اور جب تمہارا نفس خدا کی یاد سے گھبرانے لگے۔ دنیا اور دنیا والوں کی باتوں میں دلچسپی لینے لگے تو یہ جان لو کہ اب تمہارا اور اس کا راستہ الگ ہو چکا ہے۔ کیونکہ یہ علامتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ ایمانی مزاج بیمار ہے اور خواہشات کی نبض زوروں پر ہے

(بدائع الفوائد لابن قیمؒ ج ۳ ص ۲۲۴)

(۲)

حافظ ابن قیمؒ ہی اپنی ایک دوسری کتاب میں خدا کی اطاعت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں "اطاعت کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ قلب منور ہو جاتا ہے اور اس کی روشنی تمام تاریکیوں کو ختم کر دیتی ہے یہانتک ایک وقت ایسا آتا ہے کہ قلب کی حالت مثل آئینہ کے ہو جاتی ہے اور شیطان جب بھی کوشش کرتا ہے کہ اس چمکتے دمکتے قلب کے قریب ہو تو اس کی گرمی اس کو نقصان پہنچاتی ہے۔ جیسے کہ شہاب ثاقب آسمان پر اس کا پیچھا کرتی ہے۔ آخرکار شیطان اس قلب سے اتنا خوفزدہ ہو جاتا ہے جیسے ایک بکری شیر یا بھیڑیے کو دیکھتے ہی کانپ اٹھے۔

جب شیطان اس دل سے ناکام ونامراد واپس ہوتا ہے تو شیاطین جمع ہوتے ہیں اور آپس میں سوال کرتے ہیں کہ کیا ہوا؟ پھر خود ہی جواب دیتے ہیں کہ انسان کے قلبی نور نے مارا۔

(الجواب الکافی لابن القیمؒ)
(ص ۶۹)

(۳)

ابو موسیٰ یونس بن عبد الاعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھیوں میں تھے اور اپنے وقت کے بہت بڑے فقیہ بھی مانے جاتے تھے ایمانداری و دیانت کے سلسلہ میں ایک مرتبہ انھوں نے اپنے دوستوں کو ایک عجیب وغریب واقعہ سنایا جس کو ابن خلکان نے "المنتظم فی اخبار من سکن المقطم" کے حوالے سے اپنی کتاب میں نقل فرمایا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ ان کے زمانہ میں ایک شخص نے کسی سے قرض لیا اور کہیں باہر تجارت کی غرض سے چلا گیا۔ جب قرض ادا کرنے کا وقت آیا تو اس نے سوچا کہ وطن جا کر روپیہ واپس کرنا چاہئے لیکن اس زمانہ میں سمندر میں طغیانی تھی اور ملاح سفر کرنے کی ہمت نہیں کر رہے تھے تو اس نے ایک لکڑی کا صندوق لے کر اس میں مطلوبہ رقم رکھ کر سمندر کی لہروں کے حوالے کر دیا اور یہ کہا اے اللہ یہ قرض میں نے تیرا نام لے کر لیا تھا اور اب تیرے ہی نام سے اس کو سمندر کے حوالے بھی کر رہا ہوں دوسری طرف جس نے قرض دیا تھا اس کو روپیوں کی ضرورت ہوئی تو وہ بیچارہ روزانہ اس شخص کے انتظار میں ساحل پر جاتا کہ شاید وہ آجائے اور روپے دستیاب ہوں ایک روز وہ اسی انتظار میں ساحل پر کھڑا تھا کہ ایک لکڑی کا بکس اس کے پیروں کے قریب آکر لگا۔ اس شخص نے بکس کھول کر دیکھا تو اس میں پورے ایک ہزار دینار موجود تھے۔ کچھ عرصہ بعد جب سمندر پُرسکون ہوا تو قرض لینے والا شخص وطن آیا اور دوبارہ دینار دینے چاہے تو اس نے جواب دیا کہ تمہارے ایک ہزار دینار تمہارے خط کے ساتھ مجھ کو سمندر کے کنارے مل چکے ہیں اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔

(وفیات الاعیان لابن خلکان طبع مصر)
(ج ۶ ص ۲۴۹)

بقیہ
مولانا خواجہ سید احمد نصیر آبادیؒ

وسعت علم کا نمونہ ہے، ان کو ان علوم و کتاب وسنت میں فنا کا درجہ حاصل نہیں تھا اور جب تک کوئی شخص کسی چیز میں فنا نہ ہو اور اس کا عشق اور اس کی رنگینی اس پر طاری نہ ہو جائے اس کے پاس بیٹھنے والوں اور دوسروں میں اس کا ذوق پیدا نہیں ہوتا اور اس کا وہ رنگ دوسروں تک منتقل نہیں ہوتا۔ دور آخر میں دو علماء اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں، اور ان سے وہ فائدہ پہونچا جو علماء ربانیین سے پہونچنا چاہئے، ایک مولانا عبد الحی صاحب فرنگی محلی، دوسرے مولانا محمد نعیم صاحب فرنگی محلی رحمہما اللہ تعالیٰ،

تیسرا سبب یہ ہے کہ یہاں کے تصوف و طریقت کے خانوادوں اور اہل سلسلہ حضرات کو رد بدعات اور ترویج سنت کا وہ ذوق اور جوش نہ تھا جو ان خانوادوں اور سلسلوں میں پایا جاتا ہے جو حضرت مجدد الف ثانی یا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے کسی طرح متاثر ہوئے ہیں، ان حضرات کے علو مقام، ان کی حقیقت دانی و فرض شناسی سے ہرگز انکار نہیں، ان سے جو دینی اور روحانی فائدہ پہونچا، قلوب کی جو تاریکی دور ہوئی اور یاد الٰہی کا جو ذوق پیدا ہوا اس کے پورے اعتراف کے ... ... ساتھ اس حقیقت کے اظہار میں باک نہیں کہ اصلاح عقائد و رسوم اور تجدید دین کا یہ گوشہ ان کے دائرہ عمل سے خارج رہا۔ (باقی آئندہ)

بقیہ
خطبات نبوی

خدایا میں ہر چیز کی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں خواہ تو نے مجھے وہ چیز دی ہو یا نہ دی ہو۔ خدایا تو اسلام وایمان ہی پر ہمارا خاتمہ کرنا۔ ہمیں ایمان کی محبت عطا فرما، اندر سے ہمارے دلوں میں رچا دے۔ خدایا کفر کی بدکاری اور نافرمانی سے ہمارے دلوں میں نفرت پیدا کر اور ہمیں راہ یافتہ لوگوں میں شامل کر۔ اے اللہ اہل کتاب کے ان کافروں پر اپنا عذاب نازل فرما جو تیرے نبیوں کے منکر ہیں اور تیری راہ سے روکتے اور روکتے ہیں پروردگار عالم ان پر اپنی سزا اور اپنا عذاب نازل فرما اور ہماری دعاؤں کو قبول کر۔ (آمین)

(باقی۔ باقی)

ندوۃ العلماء منزل بمنزل

کانپور کا جلسۂ خاص

۱۴ ، ۱۵ ، ۱۶ شوال ۱۳۱۵ھ کو ارکان ندوۃ العلماء کا یہ جلسہ دفتر ندوۃ العلماء میں (جو ایک وسیع اور عالیشان عمارت میں تھا) دو دن تک ہوتا رہا توقع کے خلاف اکثر ارکان بہت اہتمام کے ساتھ شریک جلسہ ہوئے۔

مولانا محمد علیؒ نے تحریک کی کہ مولانا مسیح الزماں خاں استاذ نظام حیدر آباد، رئیس شاہجہاں پور اس جلسہ کی صدارت کریں خاں بہادر منشی اطہر علی صاحب کی تائید سے مولانا کرسی صدارت پر جلوہ افروز ہوئے مولانا سید عبدالحیؒ مولانا کی طرف سے رپورٹ پیش کی جس کا بیشتر حصہ ناقدین اور معترضین کے جواب پر مشتمل تھا، مولانا نے بہت تفصیل سے ثابت کیا کہ رفع نزاع باہمی اتحاد و اخوت جدید طبقہ کی عربی کی طرف توجہ اور علماء میں بیداری احساس کے مناظر جو اس وقت نظر آرہے ہیں وہ اس ندوۃ العلماء کے نتائج ہیں جو ان مقاصد کی علمبردار ہے اور ساری مخالفتوں کے باوجود اس کے لئے سینہ سپر ہے۔

دارالافتاء کی کارکردگی

دارالافتاء کا ذکر کرتے ہوئے مولانا نے کہا اس سال ۵۰۵ استفتا کے جوابات دیئے گئے جن میں ۲۰ فتوے نہایت مشکل اور پیچیدہ تھے ان کے علاوہ ۲۳ مسئلوں کی بطور خود تحقیقات کی گئی۔

یتیم خانہ کانپور

یتیم خانہ کانپور جو ندوۃ العلماء کی نگرانی میں چل رہا ہے اس میں اس وقت ۳۴ بچے ہیں جن میں ۲۵ لڑکے ، ۱۰ لڑکیاں ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت کے لئے اتالیق اور مدرس مقرر ہیں۔ صنعت و حرفت سکھانے کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ بعض بچوں کو چمڑے کا کام بھی سکھایا جاتا ہے اور بعض کو پریس کا۔

ایک ہزار باضابطہ ارکان

ارکان کی تعداد میں بھی اس سال بہت اضافہ ہوا، چنانچہ اس سال ارکان کی تعداد ۱۰۱۵ تک پہونچ گئی۔

دارالعلوم کے لئے لکھنؤ کی تجویز

مولانا کی رپورٹ کے بعد مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی نے تجویز پیش کی کہ دارالعلوم لکھنؤ میں قائم کیا جائے۔ مولانا غلام محمد ہوشیار پوری نے اس سے اختلاف کیا لیکن مولانا عبدالحقؒ (حقانی دہلوی) نے جو پہلے اس کے حامی تھے دوسری رائے پیش کی، مولانا نے کہا اس وقت ایک تجویز میں رد و بدل آسان ہے پھر بعد کو اس غیر ضروری پابندی کے نتائج بد کو گوارا کرنا مشکل ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مولانا محمد علی صاحب ناظم ندوۃ العلماء جن سے زیادہ کسی کو اس کے ساتھ دلسوزی نہیں ہے جہاں وہ کر اس کام کو کرسکیں وہیں یہ دارالعلوم قائم کیا جائے کیونکہ یہ ذہنی اور خیالی تجویز نہیں ہے کہ یوں ہوگیا اور یوں بھی نہ شاعرانہ مضمون ہے جس کا موزوں ہونا کافی سمجھا جائے اس کے بعد ایک یہ تجویز پیش کی گئی کہ اس بات کو ایک ماہ تک ملتوی رکھا جائے۔

مولانا محمد علی کی رائے

مولانا محمد علی جو پہلے دہلی کی حمایت میں تھے اپنی رائے میں کچھ نرم پڑ چکے تھے انھوں نے دہلی کے لئے کوئی زور نہیں دیا بلکہ یہ کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ دارالعلوم کے لئے اسی وقت کوئی مقام طے کردیا جائے خواہ دہلی ہو یا لکھنؤ تاکہ پھر بلا انتظار اس کی علمی کارروائی شروع کردی جائے۔

بالآخر کثرت آراء نے یہ فیصلہ کردیا کہ یہ سعادت لکھنؤ کے حصہ میں آئے اور یہ مرکزیت اور مرجعیت لکھنؤ کو حاصل ہو مولانا مسیح الزماں صاحب صدر انجمن نے کہا کہ خدا کو اسی میں کچھ بہتری منظور تھی اب ارکان ندوۃ العلماء کو نہایت محنت اور کوشش کے ساتھ اس کام کو شروع کردینا چاہئے۔

ابتدائی درجات کی منظوری

مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی نے یہ تجویز پیش کی کہ ابتدائی درجات کھولنے میں تاخیر نہ کی جائے۔ مولانا عبدالحی نے پرزور طریقہ پر اسکی تائید کی اور کہا اس وقت جو تجویز پیش ہوئی ہے وہ بہت قابل لحاظ ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس تحریک سے قطع نظر کرلی جائے تو دارالعلوم کے علمی کام شروع کرنے کی کوئی اور صورت نہیں ہے۔ اتفاق رائے سے یہ تجویز بھی منظور ہوئی۔

مولانا کی تجویز وفد

مولانا نے یہ تجویز پیش کی کہ ندوۃ العلماء کی طرف سے ایک وفد روسا لکھنؤ کے پاس بھیجا جائے اور دارالعلوم کے لئے مناسب زمین حاصل کرنے کی کوشش شروع کردی جائے۔

علمی اسپرٹ اور کام کی تیز رفتاری

اسی جلسہ میں مولانا نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ دارالعلوم کے ابتدائی یکسالہ مصارف کا اسی وقت انتظام ہونا چاہئے۔ منشی اطہر علی کاکوروی نے اسکی تائید کی اور یہ تجویز بھی فوراً منظور ہوگئی۔ مولانا شبلی نے اس پر یہ اضافہ کیا کہ علماء پر یہ الزام ہے کہ وہ اپنے روپیہ سے کوئی کام نہیں کرتے اس لئے میری رائے ہے کہ ان مصارف کی متکفل ارکان انتظامیہ ہوں چنانچہ اسی وقت چندہ ہوا اور خاصی رقم فراہم ہوگئی اور اعلان کردیا گیا کہ اور لوگ جو اس کار خیر میں حصہ لینا چاہیں انکے لئے بھی یہ دروازہ کھلا ہے۔ مولانا سید عبدالحی نے یہ تجویز رکھی کہ گورنمنٹ اسکول کانپور کے طلبہ کو دینیات کی تعلیم دلانے کا ندوۃ العلماء کی جانب سے انتظام کیا جائے۔ انھوں نے کہا کہ گورنمنٹ نے یہ درخواست منظور کرلی ہے۔ اور کانپور کے انگریزی خواں طلبہ کی ایک درخواست بھی آئی ہے جس میں انھوں نے اس بات کی خواہش بھی ظاہر کی ہے اس لئے مناسب ہے کہ ندوۃ العلماء اپنے اہتمام سے کانپور میں اس تجویز کو عمل میں لائے تاکہ دوسرے اضلاع کے مسلمانوں کے لئے نظیر ہو اور اس پر عمل درآمد شروع ہوجائے۔

مولانا شبلی نے اس تجویز کی پرزور حمایت کرتے ہوئے کہا کہ اگر میرا قیام کانپور میں ہوتا تو میں نہایت خوشی سے اس کو قبول کرلیتا انھوں نے مولوی عبداللطیف صاحب مفتی ندوۃ العلماء سے درخواست کی کہ وہ یہ خدمت انجام دیں مفتی صاحب نے بہت مسرت کے ساتھ اس کو منظور کیا۔

۱۵ شوال کو تیسری نشست ہوئی سب سے پہلے مولانا شبلی نے شاہ امانت اللہ صاحب فصیحی غازی پوری کی وفات پر بہت مناسب الفاظ میں تعزیتی تقریر کی اور ان کی تقریر کے بعد تعزیتی تجویز منظور ہوئی اور مولانا مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی گئی اس کے بعد مولانا سید عبدالحی نے یتیم خانہ اسلامیہ کی مختصر رپورٹ پیش کی۔

چو مرگ آید تبسّم بر لبِ اوست

تسنیم الحسن صدیقی ندوی

(۱)

مدینہ میں یہ خبر سرعت کے ساتھ پھیل گئی کہ امام مالکؒ شاید اب اس دار فانی سے کوچ کرجائیں اور پھر اچانک مدینہ کے جلیل القدر علماء امام موصوف کی قیام گاہ کی طرف بھاگتے ہوئے نظر آئے۔ ہر ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرنا چاہتا تھا۔

راوی کا بیان ہے کہ حاضرین کی تعداد ۱۳۰ تک پہنچ چکی تھی، اور یہ سب کے سب مدینہ کے جلیل القدر علماء اور خواص میں شمار ہوتے تھے، ان تمام کی کیفیت یہ تھی کہ ہر ایک اس کا متمنی تھا کہ امام کی نگاہوں سے اپنی نگاہ ملالے۔

امام موصوف کا کمرہ آنے والوں سے کھچا کھچ بھر چکا ہے۔ مگر آنے والوں کا سلسلہ ابھی جاری ہے اور لوگ مکان کے باہر ہی مختلف قسم کی باتوں میں مشغول ہیں کہ اچانک خوش نصیبوں نے سنا کہ امام موصوف یہ آیت "الحمد للّٰہ الذی اضحک وابکی وامات واحییٰ" تلاوت فرمارہے ہیں اور تلاوت کے بعد فرمانے لگے کہ اب وقت موعود آچکا ہے اور جلد ہی اپنے معبود سے ملاقات ہونے والی ہے۔ حاضرین نے دریافت کیا کہ آپ اس وقت اپنے کو کس حالت میں پاتے ہیں، فرمانے لگے کہ میں مطمئن ہوں کیونکہ میں نے اپنا تمام وقت اولیاء اللہ کی صحبت میں گذارا ہے (اولیاء سے یہاں میری مراد علماء ہیں کیونکہ اللہ تبارک و تعالےٰ کے نزدیک انبیاء کے بعد علماء کا ہی درجہ ہے) اس کے علاوہ میں اس وقت بہت خوش ہوں کیونکہ میں نے اپنی تمام عمر علم دین کے حصول میں صرف کی ہے اور اس راہ میں میں نے جو کچھ بھی جد و جہد کی ہے وہ سب اس وقت برگ و بار لے آئی ہے۔ ان تمام باتوں کو جس کو اللہ تعالےٰ نے فرض قرار دیا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت قرار دیا ہے۔ میں نے نبی اکرمؐ کی زبان سے عوام تک پہنچا دیا ہے۔ اسی طرح میں نے اعمال کے ثواب و عقاب کی بھی تعیین کردی ہے، فضائل اعمال کو وضاحت کے ساتھ عوام کے سامنے واضح کردیا ہے اس لئے مجھے یقین ہے کہ میرا مستقر جنت ہے کیونکہ جو علم میں نے حاصل کیا ہے اور دوسروں تک پہنچایا ہے وہ وراثت انبیاء ہے اور جو اس علم کو حاصل کرے پھر اس کو صحیح طریقہ پر دوسروں تک پہنچا دے تو اس کا درجہ انبیاء کے بعد ہی ہوگا اور بفضلہ تعالےٰ میں نے اپنے حق کو ادا کردیا ہے۔

ان تمام باتوں کے بعد فرمایا کہ "میں تم کو اس وقت ایک ایسی بات بتاتا ہوں جسے میں نے آج تک پوشیدہ رکھا اور جو میں نے ربیعہ سے سنا تھا وہ فرماتے تھے" اللہ عز وجل کی قسم اگر کوئی شخص ایسی نماز ادا کرے جس میں اس سے بہت سی غلطیاں ہوں اور اسے اپنی ان تمام غلطیوں کا کچھ بھی احساس نہ ہو اور نہ اس کو یہ علم ہو کہ اس کی نماز کیسی ادا ہورہی ہے لیکن اسے اس کی فکر ہو اور پھر وہ میرے پاس اس مسئلہ کو دریافت کرنے آئے اور میں اسے فرائض و سنن اور مستحبات صلوٰۃ بتلاؤں، اور ثواب و عقاب کو وضاحت سے بیان کردوں تو یہ بات میرے لئے تمام دنیا کے متاع سے بہتر ہے۔"

اس گفتگو کے بعد امام مالکؒ اور دیگر نصائح فرماتے رہے اور پھر ہنستے بولتے اپنے معبود حقیقی سے جاملے۔

(بستان المحدثین ص ۱۳)

(۲)

عبدالرحمن بن عبداللہ بن سابط فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ پر جب کیفیت نزع طاری ہوئی تو انھوں نے حضرت عمرؓ کو بلایا، اور فرمایا اے عمر تقویٰ اختیار کرو، اعمال خیر میں کثرت اختیار کرو لیکن ان کو ان کے اوقات پر ادا کرو کیونکہ کچھ ایسے اعمال ہیں جو صرف دن ہی میں قبول ہوتے ہیں اسلئے انکو دن ہی میں کرو، اسی طرح کچھ ایسے اعمال بھی ہیں جو صرف رات میں قبول ہوتے ہیں ان کے لئے رات کا انتظار کرو، نوافل اس وقت تک عند اللہ مقبول نہیں ہوں گی جب تک کہ فرائض کا اہتمام نہ کیا جائے۔ کامیابی صرف اسی وقت ہوگی جب روز محشر حق کا پلڑا بھاری ہو، اللہ تبارک و تعالیٰ نے جنت والوں کا ذکر اچھے الفاظ میں کیا ہے اور ان کے گناہوں سے صرف نظر فرمایا ہے اس لئے جب جنت اور اہل جنت کا ذکر میرے سامنے ہوتا ہے تو مجھے اس بات کا خوف لاحق ہوتا ہے کہ کہیں میں جنت سے محروم نہ ہو جاؤں لیکن جب دوزخ کا ذکر آتا ہے تو مجھے یہ امید ہوتی ہے کہ میں ان میں سے نہ ہوں گا کیونکہ مومن کی شان یہ ہے کہ اس میں رجاء و خوف دونوں پائے جائیں، یاس کا غلبہ نہ ہونا چاہئے۔

ان تمام نصائح کے بعد دریافت فرمایا کہ آج کون سا دن ہے۔ حاضرین نے جواب دیا کہ دوشنبہ ہے فرمایا کہ شام تک میرا وقت موعود ضرور آجائے گا اس لئے جب میرا انتقال ہوجائے تو تم میری اس چادر کو دھو لینا اور دو کپڑے نئے خرید لینا اور پھر مجھے تین کپڑوں میں دفن کردینا کیونکہ سنت یہی ہے۔ حاضرین نے نئے کپڑوں میں دفن کرنے کی خواہش ظاہر کی تو فرمایا کہ جب وہ کپڑے بوسیدہ ہونے کے لئے ہی ہیں تو پھر نئے کپڑوں کی کیا ضرورت (صفۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۰۱)

(۳)

حضرت معاذؓ عمواس کے طاعون میں مبتلا ہیں حالت دن بدن خراب ہوتی جارہی ہے، لوگ ان کی صحت سے مایوس ہوچکے ہیں، اچانک ایک شب میں معاذؓ حاضرین سے باربار یہ سوال کرتے ہیں کہ "صبح ہوئی کہ نہیں؟" (اور صبح ابھی بہت دور ہے) وہ اس وقت تک یہ سوال دہراتے رہتے ہیں جب تک لوگ انھیں صبح کے آمد کی اطلاع نہیں دے دیتے ہیں۔ جب انھیں صبح کی آمد کی اطلاع مل گئی تو فرمایا کہ "میں ایسی شب سے پناہ مانگتا ہوں جس کی صبح جہنم ہو، مرحبا اے موت ہم تو تیرا بہت دنوں سے انتظار کررہے تھے۔ ہم تجھے گلے لگانے کے لئے بیتاب ہیں۔ ہم تیرا گرم جوشی سے استقبال کریں گے۔ اے اللہ آج سے قبل میں تجھ سے بہت خائف تھا لیکن آج مجھ کو تجھ سے کسی قسم کا خوف نہیں کیونکہ مجھے امید ہے کہ تو میرا مستقر جنت ہی کو بنائے گا، کیونکہ تجھے خوب معلوم ہے کہ دنیا میرے نزدیک کبھی بھی عزیز نہیں رہی، اور نہ میں نے کبھی اس فانی دنیا میں ہمیشہ رہنے کی تمنا کی ہے اس لئے اب تو میرے لئے جنت میں عمدہ انتظام کر، اور پھر لوگوں نے دیکھا کہ ان کا سر ایک طرف ڈھلک گیا اور ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی اور ان پر تبسم نمایاں تھا۔

صفۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۲۰۱

براہ کرم خط و کتاب کے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے

بوئے دل

جگر مرادآبادی

بوئے دل از غبار می آید
شاید آں شہسوار می آید

ایں ندائے ز دار می آید
جاں فدا کن کہ یار می آید

عشق در ہر دیار نالہ کند
حسن از ہر دیار می آید

سینہ خالی کنید از دلہا
یار بہر شکار می آید

مژدہ اے دل کہ بہر استقبال
رحمتش بے قرار می آید

ہم نشیں راز عشق می پرسد
نالہ بے اختیار می آید

من بہ پنہاں جگر تلاش کنم
او مگر آشکار می آید

تجدید عزائم

شفیق احمد خاں شعرانی
متعلم دار العلوم ندوۃ العلماء

ساتھیو! آؤ کہ تجدید عزائم کر لیں
اور گلہائے سعادت سے یہ دامن بھر لیں

کفر و ظلمت کی گھٹاؤں کو مٹا دیں ملکر
فسق و الحاد کے کانٹوں کو ہٹا دیں مل کر

اشتراکیت و الحاد فنا کرنا ہے
نورِ حق عالم انساں کو عطا کرنا ہے

آؤ اسلام کی قندیل فروزاں کر دیں
روئے گیتی پہ اسی نور کو رخشاں کر دیں

امن و انصاف کی تعلیم ملی ہے جو ہمیں
دین و دانش کی وہ تعلیم ملی ہے جو ہمیں

اس کی عظمت کے نقوش اور نمایاں کر دیں
ذرہ ذرہ کو اسی نور سے تاباں کر دیں

حیف! بد طینتی و شرک مسلط ہے آج
اور انسان سمجھتا ہے یہی ہے معراج

کس قدر قعر ہلاکت کے قریب ہے انساں
کیوں نہ ہو؟ جبکہ ہے قرآن بطاق نسیاں

آہ تعلیم نبوت کو بھلا بیٹھے ہیں!
نقش ایمان و شریعت کو مٹا بیٹھے ہیں!

ساتھیو اٹھو نئے ولولۂ و عزم کیساتھ
گھس کے گرداب مصائب میں نئے عزم کیساتھ

رخ ضلالت کی ہواؤں کا بدلکر رکھ دیں
آؤ سر کفر کا، باطل کا کچل کر رکھ دیں

پرچم دین و ادب بڑھ کے نمایاں کر دیں
شمع ایمان شفیق اور نمایاں کر دیں

آؤ للکار کے پرجہل مفاسد سے کہیں
بڑھ کے اک ایک ستمگار و معاندے کہیں

اٹھ کے پندار ترے مکر کا ہم توڑیں گے
رخ امنڈتے ہوئے طوفان کا ہم موڑیں گے

فتنۂ سیل فرنگی کے اے دریوزہ گرو!
کفر و باطل کے پرستار و لے خوردہ سرو

ہم غلامان محمد ہیں مسلمان ہیں ہم
ماسوا الحق کے لئے زلزلہ ساماں ہیں ہم

ظلم و باطل کے ہم ایوان ہلا دیتے ہیں
ایک تکبیر کے نعرہ ہی سے ڈھا دیتے ہیں

مطلع دہر پہ بیداد نہ آنے دیں گے
کفر و ظلمت کی گھٹائیں بھی نہ چھانے دیں گے

گلشن احمد مرسل میں خزاں چھانے لگے
کفر و الحاد کی گھنگھور گھٹا چھانے لگے

اور ہم بھی کف افسوس یونہی ملتے رہیں
دشمنِ الدھر کے سانچے میں یونہی ڈھلتے رہیں

ڈوب کر تلاطم حالات میں ہم رہ جائیں
بن کے خاشاک اسی سیل میں ہم بہہ جائیں

اہل ایمان کا ہرگز یہ طریقہ ہی نہیں
میکش بادۂ عرفاں کا یہ شیوہ ہی نہیں

ہم امنڈتے ہوئے طوفاں کا رُخ موڑیں گے
ظلم و عصیاں کے ہر اک قصر کو ہم توڑیں گے

آشتی صلح و مساوات کا چرچا ہو گا
پھر سے عالم میں اجالا ہی اجالا ہو گا

امن و انصاف کا خورشید چمک اٹھے گا
گلستاں بوئے اخوت سے مہک اٹھے گا

مناجات

از امۃ اللہ تسنیم صاحبہ

جو گذری دل پہ میرے وہ زباں پر لا نہیں سکتی
دل بے چین کی حالت میں اب تبلا نہیں سکتی

کچھ ایسی بیکلی ہے چین دم بھر پا نہیں سکتی
ترے دربار میں حرف شکایت لا نہیں سکتی

دل بیتاب کہتا ہے کلیجہ منھ کو آتا ہے
اشارہ بندگی کا ہے کہ رو کو صبر جاتا ہے

ترے باب کرم پر روز سو سو بار آتی ہوں
کہانی اس دل پر درد کی تجھ کو سناتی ہوں

تڑپ اور بیکلی سے جب بہت ہی تنگ آتی ہوں
تو پھر بیتاب ہو کر تیرے دروازے پہ آتی ہوں

الٰہی اپنی حکمت سے علاج درد دل کر دے
تو مجھ بیمار غم کو اب خوشی کامل عطا کر دے

دل مضطر کے ہاتھوں وحشت غم میں پھرتی ہوں تنہا
جو دن پڑتے ہیں مجھ پر تو ہی واقف ہے مرے مولا

ترے بس میں نظر جو بگڑی ہے معاملہ دل کا
نہیں مخفی ہے تجھ سے کچھ بھی حال زار مضطر کا

ترا گر ایک اشارہ ہو مرے سو کام بن جائیں
فقط اک کن کے کہتے ہی مرادیں دل کی بر آئیں

بگڑتی ہے جو حالت دل کی ترا نام لیتی ہوں
کلیجہ دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر تھام لیتی ہوں

تری مرضی سمجھ کر صبر سے پھر کام لیتی ہوں
تجھی سے کہہ کے حال زار دل آرام لیتی ہوں

رسائی ہو گئی دربار میں سر جھک گیا در پر
تو پھر تسنیم کیوں رہتی ہے تو بیتاب و مضطر

سائنس کی دنیا

✫ شہاب ثاقب یا ماہ پارے ؛

✫ ارتقا کا نیا نظریہ

سید ضیاء الحسن ندوی

پتھریلی چٹانوں میں شیشہ کی طرح چمکتے ہوئے ریزے ہماری نظر سے کئی بار گزرے ہوں گے لیکن شاید ہم نے کبھی یہ نہ سوچا ہو کہ یہ کہاں سے آتے ہیں۔ ان ریزوں کو سائنس کی اصطلاح میں TECTITES ٹیکٹائٹس کہا جاتا ہے، ٹیکٹائٹس مختلف معدنی اجزا اور کاربن وغیرہ سے مرکب ہوتے ہیں۔

ان کے متعلق اکثر سائنسدانوں کا خیال ہے کہ جب کوئی بڑا سیارہ گردش کے دوران چاند کے بہت قریب سے گذرتا ہے تو اس کی رگڑ سے مادہ قمری کا تھوڑا سا حصہ پگھل کر فضا میں منتشر ہو جاتا ہے اور ایک عرصہ دراز تک بھٹکنے پھرنے کے بعد بہت چھوٹے چھوٹے اور چمکدار ریزوں کی شکل میں وہ زمین پر گرتا ہے اور اس کے مختلف حصوں میں پھیل جاتا ہے۔

دنیا کے مختلف حصوں سے جمع کئے ہوئے ان سنگریزوں کی جانچ کے بعد سائنسداں اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ زمین بننے کے بعد سے اب تک کم از کم تین مرتبہ چاند سے ان ریزوں کی بارش ہوئی۔ سب سے پہلی بار تین کروڑ چالیس لاکھ سال پہلے پھر اب سے ایک کروڑ پچاس لاکھ سال پہلے اور آخری بار سات لاکھ سال پہلے زمین پر ان ریزوں کی بارش ہوئی۔

چٹانوں کی عمر ڈاکٹر فلیشر اور ڈاکٹر پرائس نے یورانیم (URANIUM) کے ذروں (ATOMS) کے نشانات سے ٹیکٹائٹس کی چٹانوں کی عمر کا اندازہ لگایا ہے۔ یورانیم کے ذرات تقریباً قریب سب ہی چٹانوں میں پائے جاتے ہیں یورانیم کے ذرات قدرتی تخریب کاری کا نشانہ بنتے رہتے ہیں، اور اسکے نتیجہ میں وہ چھوٹے چھوٹے متعدد اجزا میں تقسیم ہو جاتے ہیں جب کبھی چٹان کا بیرونی حصہ اس تخریب کاری سے متاثر ہوتا ہے تو بعض ذرے اس سے علاحدہ بھی ہو جاتے ہیں۔ چٹانوں میں ایسے نشانات جتنے زیادہ ہوں گے اتنی ہی وہ پرانی ہوں گی۔

یہ اجزائے قمری یا ماہ پارے اتنے باریک ہوتے ہیں کہ انتہائی طاقتور خوردبین کی مدد کے بغیر نظر نہیں آتے اور نہ دوسرے بڑے اجزا سے علاحدہ رہ سکتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اجزا یقیناً دوسری بہت سی چیزوں کے ساتھ زمین پر گرے ہوں گے۔ سوال یہ ہے کہ وہ دوسری بڑی چیزیں کون سی ہو سکتی ہیں؟ اور یہ سمجھنا کہاں تک صحیح ہوگا کہ وہ چاند سے ٹوٹے ہوئے نسبتاً بڑے ٹکڑے ہوں گے؟ جیسا کہ دوسری شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے۔

اپنی ان تحقیقات کی بنا پر سائنسدانوں کا خیال ہے کہ مادہ قمری کے جتنے حصے اب تک دستیاب ہوئے ہیں ان سے کہیں زیادہ ابھی زمین پر موجود ہوں گے۔ چنانچہ ماہرین کے سامنے اس وقت ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ وہ اجزاء کہاں پائے جاتے ہیں اور ان کی خصوصیات کیا ہیں؟

ارتقا کے متعلق ایک پادری کی رائے:

ایک صدی سے کچھ پہلے سائنسدانوں کا خیال تھا کہ یہ کائنات ایک مکمل اور باضابطہ مشین ہے اور اس کی ایجاد زمانہ کی ابتدا میں ہوئی تھی اور تا ابد یہ اسی طرح حرکت میں رہے گی۔ اس شکل اور اس کے نظام میں کسی تبدیلی کا امکان نہیں ہے —— پھر ۱۸۵۹ء میں ڈارون (DARWIN) نے اپنا نظریہ ارتقا پیش کیا جس کی بنیاد اس مفروضہ پر تھی کہ زندگی ہمہ وقت تغیر پذیر ہے اس میں کبھی ٹھہراؤ اور یکسانیت نہیں پیدا ہو سکتی —— اس کے نصف صدی بعد آئنسٹائن (EINSTEIN) نے بتایا کہ زندگی اور یہ ساری کائنات ایک اضافی چیز ہے اس طرح اس نے نظریہ اضافیت دنیا کے سامنے پیش کیا —— اسی طرح ہائزنبرگ HEISENBERG نے اپنا "عدم استقلال" کا اصول پیش کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات اور زندگی کے بارے میں کوئی بات یقینی طور سے نہیں کہی جا سکتی —— اس وقت علماء ذہن ایک "مستقل اور مستحکم کائنات" سے ایک "ہمہ وقت متغیر دنیا" کی طرف متوجہ ہوا جس میں کوئی ایک چیز بھی مستقل اور پائدار نہیں ہے۔ یہاں تک کہ مذہب اور اخلاقیات کو بھی استقلال نصیب نہیں ہے۔

خلط مبحث ایک کیتھولک پادری مسٹر ریمانڈ جے ناگر Mr RAYMOND J. NAGAR نے اس رجحان کی مخالفت کی اور انھوں نے اپنی کتاب "دی وزڈم آف ایوولوشن" THE WISDOM OF EVOLUTION میں یہ بتایا کہ جہاں تک حیاتیاتی ارتقا کا تعلق ہے وہ ایک حقیقت ہے اور اس سے وہ بھی اتفاق کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی ان کا خیال ہے کہ ارتقا اور تغیر کی تشریح اسکے سائنسی مفہوم سے بہت دور ہٹ کر کی گئی ہے، اور اخلاقی اور مذہبی اقدار کو مسخ کر دالنے کے لئے ارتقاء، مادیت، تاریخیت اور وجودیت جیسے نام نہاد نظریات کا سہارا لیا گیا ہے اور ان چیزوں کا مرکز فکر کی بنیاد اور زندگی کے اصول کی حیثیت دی گئی ہے۔

عیسائیت سے تضاد نہیں مسٹر ناگر کا کہنا ہے کہ اپنی سائنسی حدود کے اندر نظریہ ارتقا کا عیسائی مذہب سے کوئی تضاد نہیں ہے اسلئے کہ بائبل کا میدان مذہب اور اخلاقیات ہے سائنس نہیں ہے اسکی داستان تخلیق ادب اور شاعری کی زبان میں ہے اسلئے اس میں اور سائنس کے ثابت شدہ حقائق میں کوئی ٹکراؤ پیدا نہیں ہوتا اور ایک خالق کائنات کا وجود، جو اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین فطرت کے مطابق نظام کائنات کو چلاتا ہے ہرگز کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔

انسان اور اس کے خالق کے باہمی رشتہ کو جہاں تک تعلق ہے پادری ناگر کا خیال ہے کہ انسانی جبلتوں کی تشکیل لاکھوں سال پہلے ہو چکی تھی۔ اس حد تک سائنس بھی ان سے متفق ہے اور لیکن ...

"تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ" جلد اول

مرتبہ یونس نگرامی ندوی

اللہ کے نیک بندوں کی صحبت ہی موجودہ دنیا کا بہترین علاج ہے اگر آپ کو اس موضوع سے دلچسپی ہے تو "تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ" کا مطالعہ فرمایئے۔ تبصرہ حیات و مکان ایمان افروز مضامین کا مجموعہ جس کی ہر قسط ہندوپاک کے متعدد رسائل و اخبارات میں شائع ہوتی رہی۔

اپنے موضوع پر منفرد کتاب قیمت ... روپئے

ملنے کا پتہ

۱. مکتبہ طیبہ ۲۰/۲۰۷ ڈیوڑھی آغا میر لکھنؤ
۲. صدیق بک ایجنسی کچہری روڈ لکھنؤ
۳. مکتبہ دار العلوم ندوہ لکھنؤ
۴. مکتبہ اسلام، ۳۰ گوئن روڈ لکھنؤ

دار العلوم

حالاتؔ و واقعاتؔ !

حافظ ہونے والے طلبہ

دار العلوم کے شعبۂ حفظ قرآن سے جو... ایک عرصہ سے دار العلوم میں قائم ہے اس سال ۱۸ طلبہ حافظ قرآن ہو کر نکلے۔

اس سلسلہ میں مورخہ ۱۸؍مئی ۶۳ء کو مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کی سرپرستی میں نماز عصر کے بعد مسجد دار العلوم میں ایک اجتماع منعقد ہوا جس میں فارغ ہونے والے طلبہ نے آخری سبق سنایا، مولانا مدظلہٗ نے حفظ قرآن کی اہمیت اور اس کی ضرورت پر ایک بصیرت افروز تقریر فرمائی اور کامیاب ہونے والے طلبہ کو مبارکباد پیش کی۔ آخر میں ندوۃ العلما کی مجلس انتظامیہ کے رکن شفاء الملک حکیم خواجہ شمس الدین صاحب نے اپنی نصیحتوں سے طلبہ کو مستفید فرمایا۔

النادی العربی کا جلسۂ خاص

جمعرات مورخہ ۱۶؍مئی ۶۳ء کو النادی العربی کا اجتماعی جلسہ رواق سلیمانی کے نئے ہال میں مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہٗ کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں.... مولانا مدظلہٗ نے عربی میں ایک مبسوط تقریر فرمائی اور ...طلبہ کو عربی ادب و انشاء میں مہارت حاصل کرنے اور صحیح ذوق پیدا کرنے کی طرف رہنمائی فرمائی، آپ نے فرمایا کہ کسی زبان یا علم کو سیکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا صحیح ذوق اور اس سے سرور حاصل ہو۔ اسکے بغیر کسی زبان یا علم کو حاصل کرنا بہت مشکل ہے، آپ نے فرمایا کہ عربی زبان سیکھنے کا مقصد یہ ہے کہ اس سے ہم خالص دینی خدمت انجام دیں۔ اس زبان کا اصل پیغام ہی یہ ہے کہ اس کے ذریعہ ہم قرآن کی تعلیمات کو سمجھیں اور اہل زبان کو ان کا وہ بھولا ہوا مقصد یاد دلائیں جسکو لے کر وہ دنیا میں آئے تھے آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص عربی زبان اس لئے پڑھتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ کوئی معاشی اور اقتصادی بند وبست کرے اور اس سے غلط فائدہ اٹھائے تو اس زبان کے ساتھ خیانت کرتا ہے اور اپنی صلاحیتوں کا غلط استعمال کرتا ہے۔ عربی میں کمال پیدا کرنے کا مقصد اس وقت یہ ہونا چاہئیے کہ عالم عربی میں الحاد و بے دینی، اشتراکیت و مغربیت اور غلط رجحانات کا مقابلہ کیا جائے جو آج نہ صرف مصر و شام بلکہ مرکز اسلام حجاز میں بھی پیدا ہونے لگے ہیں۔

امتحان سہ ماہی

دار العلوم میں سہ ماہی امتحانات مورخہ ۹؍جون ۶۳ء سے شروع ہو رہے ہیں، جو مسلسل ایک ہفتہ تک جاری رہیں گے۔ گرمی کی شدت کی وجہ سے روزانہ صرف ایک پرچہ ہوگا امتحان کا اعلان ہوتے ہی طلبہ میں سرگرمی اور تیاری کی فضا پیدا ہو گئی ہے۔

(بقیہ) سید صاحب اور علوم قرآن

نے دار المصنفین کے کتب خانہ سے اس کی نقل بھی حاصل فرمائی تھی سید صاحب کی رائے تھی کہ ان رسالوں کو اس طرح شائع کیا جائے کہ شاہ صاحب کی کتابوں سے ان کی تفسیری آیات کو جمع کر لیا جائے اور فوز الکبیر میں مناسب حاشی تحریر کئے جائیں اسکے بعد اس پورے مجموعہ کو شائع کیا جائے۔ جہاں تک شاہ صاحب کی تفسیری آیات اور فوز الکبیر کے حواشی کا تعلق ہے بحمد اللہ یہ کام بھی انجام پا چکا ہے۔

۴۔ قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالی نے اس کائنات کی اکثر چیزوں کو بطور اپنی نشانیوں کے پیش فرمایا ہے۔ سید صاحب فرماتے تھے کہ "آیات اللہ فی کتاب اللہ" کے نام سے ایک کتاب تیار کی جائے جس میں ان تمام آیات کو جمع کر دیا جائے اور ان چیزوں کے متعلق جدید تحقیقات کو ان آیات کی تشریح کے سلسلے میں درج کیا جائے۔ قرآن مجید کی یہ بہترین خدمت ہوگی ــــ امام غزالی نے بھی قریب قریب اسی موضوع پر "الحکمۃ فی مخلوقات اللہ عز و جل" کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے۔ سید صاحب کے ارشاد کے بموجب الگ الگ عنوانات کے ماتحت بفضل خدا یہ آیات جمع کر دی گئی ہیں البتہ جدید تحقیقات کے جمع کرنے کا کام نہیں ہو سکا ہے۔

۵۔ دوسرے محققین کی طرح سید صاحب کا بھی خیال تھا کہ قرآن مجید کی آیات کی حیثیت کلیات کی ہے اور احادیث انھیں کلیات کی تشریحات ہیں۔ اسی خیال کے ماتحت سید صاحب قرآن مجید نیز احادیث پر غور فرماتے تھے۔ انھوں نے اپنی یادداشت کی کاپی میں دو عنوانات قائم فرمائے تھے۔

ایک عنوان کے ماتحت ان احادیث کے حوالوں کو جمع فرمایا جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد گرامی کے بعد بطور استشہاد کے کسی آیت کو تلاوت فرمایا تھا۔

دوسرے عنوان کے ماتحت ان احادیث کے حوالوں کو جمع فرمایا تھا جن میں حضور اکرم صلعم نے کسی آیت کو تو نہیں تلاوت فرمایا مگر اس حدیث شریف کے اندر ایسے الفاظ موجود ہیں جو اشارہ کرتے ہیں کہ اس حدیث کا ماخذ فلاں آیت ہے ان دونوں عنوانات کے ماتحت سید صاحب نے جو کچھ جمع فرمایا تھا وہ بہت مختصر ہے جو صرف نمونہ کا کام دے سکتا ہے مگر یہ کام کرنے کا ہے اور اس کام کے لئے بڑی عمیق نظر کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالی سید صاحب کی دینی خدمات کو قبول فرمائیں اپنی رضا و مغفرت سے انھیں نوازیں انھوں نے اپنے بعد کے لوگوں کے لئے کام کا ایک نقشہ چھوڑا ہے بڑی ضرورت ہے کہ ان کاموں کو اخلاص کیساتھ پورا کیا جائے اور احتیاط و تحقیق میں انھیں کے نقش قدم کی پیروی کیجائے۔ خاتمۂ سخن پر سید صاحب کی ایک خواہش کا اظہار مناسب معلوم ہوتا ہے۔

جب ان کے دل میں خاکسار کو دار المصنفین سے خدمت قرآن کے سلسلہ میں دار العلوم ندوۃ لانے کا خیال پیدا ہوا تو ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ دار العلوم میں ایک قرآنی سوسائٹی قائم کی جائے ملک کے اہل ذوق سے اشتراک عمل کیا جائے دار العلوم کے مستعد اور ہونہار طلبہ کا انتخاب کیا جائے، اس کے بعد قرآن مجید کے مختلف شعبوں پر کام کیا جائے"

سید صاحب کا یہ خیال اہل علم اور اصحاب ذوق کے توجہ کے لائق ہے۔ بے شبہ قرآن مجید کی علمی خدمت کا میدان بھی بہت وسیع ہے اور اس میں کام کرنے کی بڑی ضرورت ہے موجودہ دور کی روز افزوں الجھنیں اور پریشانیاں اس عہد کے علوم کی شکست کا اعلان ہیں۔ آج کی امن و سلامتی کی متلاشی دنیا کے لئے صرف قرآن حکیم کے پیغام میں طمانیت و سکون مل سکتا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ اس پیغام کو ہر ممکن اور مناسب صورت سے پیش کیا جائے۔" ؎

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی
علاج اسکا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ؎

(بقیہ ۵ اس سے آگے) جسمانی تبدیلیاں رفتہ رفتہ ہوتی گئیں لیکن ان خصوصیات اور جبلتوں نے بشریت کا جامہ بالکل یکایک اور ٹھیک اسوقت پہنا جب قادر مطلق نے جسم کو روح اور مافوق الفطرت طاقتوں سے نوازا لیکن بعد میں اپنی خطاؤں اور گناہوں کی پاداش میں انسان کو ان طاقتوں سے ہاتھ دھونا پڑا

(پرنٹر پبلشر محمد الحسنی نے شاہی پریس لکھنؤ سے چھپوا کر دفتر تعمیر حیات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا)